

# اچانک یا حادثاتی موت کا حکم

اچانک یا حادثاتی موت کے متعلق بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ”ناگہانی موت اچھی ہے۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ”ناگہانی موت مومن کے واسطے راحت ہے اور فاجر کے واسطے غضب ہے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ : ۷۴۸)

مزید احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص موت سے غافل نہ ہو اور مرنے کے لیے ہر وقت تیار و مستعد و آمادہ رہتا ہو، اس کے لیے ناگہانی موت اچھی ہے۔

(کتاب الجنائز، ص : ۱۴)

## نفلی روزے کی شرعی حیثیت

۷: ایام بیض کے روزے:

((أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَصُومَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ الْبَيْضِ، ثَلَاثَ عَشْرَةَ، وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ، وَخَمْسَ عَشْرَةَ. (نسائی، کتاب الصیام، رقم: ۲۴۲۵ وهو حسن انظر السلسلة الصحيحة: ۱۵۶۷)

”اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا: کہ ہم ایام بیض یعنی چاند کے تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزہ رکھیں۔

وہ ایام جس میں روزہ رکھنا ممنوع ہے:

(۱) عید الفطر اور عید الاضحیٰ (ماہ رمضان) روزوں کے بعد افطار کا دن (عید الفطر کا دن) اور دوسرا دن وہ جس میں تم اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے

((إِنَّ هَذَيْنِ يَوْمَانِ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَامِهِمَا، يَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ، وَالْآخَرُ يَوْمٌ تَأْكُلُونَ فِيهِ مِنْ نُسُكِكُمْ)) (ای عید الاضحیٰ)

”بلاشبہ یہ دو دن (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے جس دن تم روزہ افطار کرنے یعنی عید الفطر اور دوسرا دن جس دن تم قربانی کا گوشت کھاتے ہو (قربانی کا دن)۔“ [صحیح مسلم رقم:

۱۱۳۷ کتاب الصیام باب النهی عن صوم يوم الفطر ويوم الاضحی، مسند احمد: ۳/۳۴]

(۲) ایام التثريق

ایام التثريق ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو کہتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ حُذَافَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَطُوفُ فِي مَنَى ((أَنْ لَا تَصُومُوا هَذِهِ الْأَيَّامَ فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ))

”تحقیق رسول اکرم ﷺ نے عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ منیٰ میں طواف کرے۔“ تم میں سے کوئی ان دنوں میں روزہ نہ رکھے کیوں کہ یہ کھانے، پینے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔“

[مسند احمد: ۲/۵۳۵]

حج تمتع اور حج قرآن کرنے والے کو اگر قربانی نہ میسر آئے تو اس نبی سے مستثنیٰ ہوگا۔

(عبدالرحیم بلتستانی)

# فہرست

	جواہر پارے	✽
	اچانک یا حادثاتی موت کا حکم	
	کلمہ طیبہ	✽
	نفل روزے کی شرعی حیثیت	
	اداریہ	✽
2	(حافظ احمد شاہ کر)	
	درس قرآن	✽
4	(مولانا ارشاد الحق اثری)	
	تفسیر سورۃ قاطر..... (۲۹)	
	درس حدیث	✽
8	(حافظ محمد اشرف سعید)	
	توفیق الباری	
	تقابل ادیان	✽
10	(حافظ ثناء اللہ مدنی)	
	تورات، زبور، انجیل اور قرآن کریم..... (۲)	
	محاسن اسلام	✽
17	(پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر)	
	اسلام میں خواتین کی اہمیت اور ان کے حقوق (۲)	
	احوال آخرت	✽
22	(عزیز زبیدی)	
	دوزخیوں اور جنتیوں کی کہانی..... (۳)	
	اخبار و آراء	✽
28	(مولانا محمد یوسف)	
	جماعت اہل حدیث کے لیے لمحہ فکریہ	
	تبصرہ کتب	✽
29	(محمد سلیم چنیوٹی)	
	شعر و ادب	✽
	رب کعبہ کا لطف عام	
	(مولانا ظفر علی خان)	

## ہم اور ہماری توبہ؟

وطن عزیز جن کٹھن حالات، خصوصاً امن عامہ، بارشیں، سیلاب، خودکش دھماکوں، خودکشیوں وبائی امراض، معاش کی زبوں حالی بجلی و گیس کی قلت اور بحیثیت قوم بدعنوانی کی علت جیسے جن حالات سے دوچار ہے اس سے وطن عزیز کا ہر شہری پریشان ہے۔ ہم چوں کہ T.V سے بحمد اللہ اب تک محفوظ ہیں اس لیے شنید ہے کہ دینی حلقوں میں ایک محترم نام مولانا طارق جمیل صاحب نے ایک پرائیویٹ T.V چینل پروگرام میں تشریف لا کر پاکستانی قوم خصوصاً حکمرانوں کو استغفار اور رجوع الی اللہ یعنی من حیث القوم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور اجتماعی توبہ و دعا کا مشورہ دیا ہے۔ یہ مشورہ اگرچہ ایک عرصہ سے وطن عزیز کے دینی و مذہبی رجحانات رکھنے والے مختلف حلقے دے رہے تھے لیکن مولانا محترم نے پبلک سٹیج پر یہ مشورہ اس اخلاص سے دیا کہ جناب صدر زرداری نے بھی دوسرے دن قوم سے اجتماعی استغفار و دعا کی اپیل کر دی۔ چنانچہ ذرائع ابلاغ..... یعنی پرنٹنگ و الیکٹرانک میڈیا..... نے اس اپیل کی تشہیر بھی خوب کی اور بعد میں ”یوم دعا و استغفار“ منائے جانے کی خبریں بھی خوب نشر کیں۔

الیکٹرانک ذرائع ابلاغ نہ ہونے کی وجہ سے مولانا محترم کے ارشادات سے ہم براہ راست تو مستفید نہ ہو سکے بعض حضرات سے پوچھنے سے پتہ چلا کہ مولانا موصوف نے سنن ترمذی کی ایک حدیث بیان فرمائی ہے۔ سنن ترمذی میں ایک حدیث حسن صحیح ملی ہے جس میں قیامت کی پانچ نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ (۱) علم..... یعنی علما..... اٹھ جائے گا (۲) جہالت کا اظہار ہونے لگے گا (۳) زنا پھیل جائے گا (۴) شراب..... سرعام یا زیادہ..... پی جائے گی (۵) عورتیں..... تعداد میں..... مردوں سے زیادہ ہو جائیں گیں۔ ترمذی شریف کے اسی باب کی ایک دوسری حدیث جو غریب ہے (غریب اپنی صحت و مرتبہ میں حسن صحیح کے برابر نہیں ہوتی) جس میں آپ نے فرمایا کہ جب میری امت یہ پندرہ کام کرنے لگے گی اس وقت ان پر بلائیں..... یعنی ان کا نزول..... حلال..... یعنی جائز..... ہو جائیں گی۔ (۱) جب مال غنیمت (یعنی سرکاری مال کو) ذاتی دولت جانا جائے گا (۲) امانت کو غنیمت سمجھا جائے گا (۳) زکوٰۃ کو جرم مانا جانا جائے گا (۴) جب بیوی کی اطاعت کی جائے گی (۵) ماں کو ناراض کیا جائے گا (۶) دوست کو خوش رکھا جائے گا (۷) باپ کو دکھ پہنچایا جائے گا (۸) مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں گیں (۹) رذیل انسان قوم کا سربراہ ہو جائے گا (۱۰) جب انسان کی عزت اس کی شر کے خوف سے کی جائے گی (۱۱) شراب..... کثرت سے..... پی جائے گی (۱۲) (مردوں میں) ریشم پہنا دینا بن جائے گا (۱۳) گانے والیاں (۱۴) اور آلات موسیقی گھروں میں داخل ہو جائیں گے (۱۵) مسلمان اپنے سے پہلے مسلمانوں (یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ائمہ عظام علیہم الرحمہ) کو گالیاں دینے لگیں گے۔ ان دونوں احادیث مبارکہ پر غوریوں نہ کرنا چاہیے کہ ان میں سے کوئی علامات ہم میں ہیں بلکہ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان نشانوں میں سے ہم میں کوئی نہیں؟ عمومی نظر سے دیکھا جائے تو ایک آدھ سوا کے ہم میں سب ہی علامتیں موجود ہیں۔ اس کے بعد فرمایا نبی ﷺ نے، یہ نشانیاں جب ظاہر ہو جائیں گی پھر..... عذاب کی..... سرخ ہوا، چہرے مسخ ہو جانے یا زمین پھٹ کر اس میں دھنس جانے کا انتظار کرو۔

قرآن کے مختلف مقامات پر توبہ و انابت الی اللہ یعنی گناہوں سے بخشش طلب کرنے کی طرف اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بار بار متوجہ فرمایا ہے اس کے ثمرات و انعامات کا ذکر کر کے اس کی ترغیب دی ہے نیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورہ المومن کی آیت نمبر ۶۰ میں اپنے بندوں کو دعا کرنے کا حکم بایں خوش خبری دیا ہے کہ تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ علمائے کرام نے قبولیت کی کیفیت و ہیئت میں چوں کہ وضاحتیں فرمائی ہیں اور یہ بحث الگ ہے وہ پھر کبھی سہی۔ اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے دعا کو عبادت فرمایا اور دعا نہ کرنے کو تکبر سے تعبیر کیا ہے۔ ایسے ہی سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۶

..... میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت دعا کی جو شرائط بیان فرمائی ہیں ان میں ..... اذا دعوا ..... دعا کرنا پہلی شرط۔ اس کے احکام قبول کرنا ..... فلیستجیبوا لی ..... دوسری شرط اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان لانا ..... والیسو منوا بی ..... (کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو اپنے بندے کے لیے جب، جس حد تک اور جس طرح بہتر چاہے قبول فرمائے گا)۔ تیسری شرط بیان فرمائی ہے۔

ہمارے علمائے کرام و خطیبان عظام کو چاہیے کہ وہ ان آیات کی تشریح و تفسیر سے عوام الناس کو مستفید کریں اور ان کو ممکن حد تک قبولیت دعا کے ارکان و شرائط سے مطلع کریں تاکہ وہ من حیث القوم جو ہمیشہ اسباب پتکیہ کرنے کی عادی بن گئی ہے مسبب سے بھی رابطہ اور اس کی طرف دھیان کرنے کی عادت ڈالے۔

قرآن و حدیث کی تعلیمات نے ہم پر واضح کر دیا ہے کہ ہر مسلمان پر ایک اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں اور دوسرے انسانوں کے حقوق یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے حقوق شرک کے سوا معاف کرنے کی اپنے بندوں کو امید دلائی ہے۔ شرک بھی سچی توبہ سے اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے لیکن حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے جب تک بندہ ..... مظلوم ..... خود معاف نہ کرے گا۔ اور سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۳۸ ..... کے مطابق اللہ تعالیٰ بالجبر کسی بری بات ..... یعنی بد دعا ..... کو پسند نہیں فرماتا سوائے مظلوم کی آہ کے۔ کیا خیال ہے کہ جامعہ حفصہ کے بے گناہ طلباء و طالبات کی آہوں نے عرش معلیٰ کو جھوٹا نہ ہوگا؟ اس ظلم و ستم کے مجرم صرف حکمران ہی نہیں مذہبی و سیاسی جماعتوں کے وہ لیڈر بھی ہیں جو ان بے چاروں کو یوں بے کس چھوڑ کر لندن کی اے پی سی میں شرکت کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ کیا ان حکمرانوں یا سیاستدانوں نے کبھی انفرادی یا اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور اس جرم کی معافی مانگی؟ یا ان کے والدین سے جا کر معافی مانگی؟ ہم سوچیں کہ حقوق العباد اور کس چیز کا نام ہے؟

قرآن حکیم میں جب پہلی امتوں پر آنے والے عذابوں اور آفات کی توضیحات ہم پڑھتے ہیں تو ان کے بنیادی اسباب میں سے انبیاء کی دعوت کو حید قبول نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار، تعلیمات دینیہ سے انحراف اور شعائر دینی کا استہزاء سامنے آتے ہیں۔ ملی طور پر یہ جائزہ لینا ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم دیکھیں کہ مذکورہ بالا عادات میں سے ہم کن کن عادات میں مبتلا ہیں۔

تعلیمات دینیہ میں سے ہم تو حید ہی کو لے لیں تو وطن عزیز کے کس شہر میں شرک کے اڈے نہیں اور وہ کونسا حکمران ہے جو اپنی سیاسی ضرورتوں اور مصلحتوں کے لیے ان اڈوں کی سرپرستی نہیں کرتا؟ کیا ان اڈوں پر غیر اللہ کے لیے جانور ذبح نہیں کیے جاتے اور چڑھاوے نہیں چڑھائے جاتے؟ کیا وہاں دعا کرتے وقت عبادت الہی کی خاص وضع یعنی خشوع اور خضوع کی کیفیت نہیں بنائی جاتی؟ اس کے علاوہ سود یعنی بینک کی کوئی صورت لے لیں وہ سود سے مبرا نہیں۔ عالمی نظام سرمایہ داری کے باعث ہم سب اس سے آلودہ یا کم از کم حدیث شریف کے مطابق اس کے دھوئیں سے تو کوئی بھی نہیں بچا۔ لیکن ایک عرصہ سے بعض مفتیان دین باب الحیل کے ذریعے سود کے حلال ہونے کے جو فتوے جاری کر رہے ہیں کیا وہ نص صریح یعنی واضح احکامات الہیہ سے انحراف نہیں؟ کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سود کو اللہ تعالیٰ سے جنگ اور حدیث شریف میں سود کا گناہ کم از کم ماں سے زنا کے برابر فرمایا گیا ہے ایسے ہی ایام قربانی میں یہ فکری گمراہی پھیلانا کہ خون بہانے کی بجائے قربانی کی رقم کسی اور مصرف میں لگا دینی چاہیے کیا یہ شعائر دینیہ کا انحراف نہیں؟ ایسے ہی دائرہ شمول اور غیر کاٹخنوں سے اوپر ہونا پردہ (حجاب) وغیرہ اور فحش وغیرہ سے اجتناب کا مذاق کیا دینی شعائر کا استہزاء نہیں؟ سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب تک ہم ان مذکورہ بالا ملی غلطیوں بلکہ نافرمانیوں سے من حیث القوم توبہ نہ کریں گے تب تک کیا ہماری دعائیں قبول ہو سکتی ہیں؟ اصحاب درد دل کو چاہیے کہ وہ اللہ کے لیے اس پہلو کی طرف خود بھی توجہ فرمائیں اور عوام کو بھی متوجہ کریں کہ ہر فرد اپنے اپنے دائرہ اختیار میں اصلاح کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

# تفسیر سورۃ فاطر

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ حضرت عثمان غنی کے دور میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے۔

یہی مصحف طلب کر کے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہم کو دیا اور ان سے اسی مصحف کے مختلف نسخے لکھوائے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا مصحف انہیں واپس کر دیا۔ اور ان نسخوں کو دوسرے شہروں میں بھجوا دیا۔ جیسا کہ صحیح بخاری (رقم: ۴۹۸۶، ۴۹۸۷) وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک نسخہ مکہ مکرمہ میں، ایک بصرہ، ایک کوفہ، ایک بحرین، ایک شام بھجوا دیا اور ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں رکھا۔ آج امت کے پاس وہی مصحف پاک ہے جو ان صحابہ کرام کی مساعی جیلہ سے جمع ہوا تھا اور صحابہ کرام سے اختلاف کے باوجود روافض کے پاس بھی وہی مصحف ہے جو ان صحابہ کرام نے جمع کیا ہے۔ اہل بیت کے فضائل و مراتب بجا ہیں مگر حقیقت وہی ہے جسے مختصراً ہم نے عرض کر دیا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے امت محمدیہ کو قرآن پاک کا ”وارث“ بنایا ہے۔ اس میں ایک معنویت اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ وارث کو جو میراث ملتی ہے وہ بغیر کسی احسان اور معاوضہ کے ملتی ہے یہ وارث کے کسی عمل اور کوشش کے نتیجہ میں نہیں ہوتی۔ بالکل اسی طرح کتاب حق کی وراثت امت محمدیہ کو کسی عمل و محنت کے نتیجہ میں نہیں دی گئی بلکہ یہ خاص اللہ کی عطا اور مہربانی کا نتیجہ ہے۔ اس امت سے پہلے بنی اسرائیل ”الکتاب“ کے وارث تھے۔

﴿وَأَوْفَيْنَا بِنَبِيِّ إِسْرَآءِيلَ الْكِتَابَ﴾ (المؤمن: ۵۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أعطيت ما لم يعط احد من الانبياء ، فقلنا يا رسول الله ما هو؟ قال: نصرت بالرعب ، واعطيت مفاتيح الأرض ، وسميت أحمد ، وجعل التراب لي طهوراً ، وجعلت أمتي خير الامم . (مسند احمد، ج: ۱، ص: ۹۸)

”مجھے ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو دیگر انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ چیزیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: میری مدد رعب سے کی گئی ہے، مجھے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں، میرا نام احمد رکھا گیا ہے، مٹی میرے لیے طہارت کا باعث بنائی گئی اور میری امت تمام امتوں سے بہتر قرار دی گئی ہے۔“

حافظ ابن کثیر نے تفسیر (ج: ۱، ص: ۲۵) میں اور حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ (فتح الباری، ج: ۸، ص: ۲۳۵)

ان احادیث مبارکہ سے بھی رسول اللہ ﷺ کی امت کی عظمت اور مرتبت معلوم ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے اولین مصداق تمام صحابہ کرام ہیں۔ مگر روافض ”اصفاء“ کا مصداق اہل بیت نبی ﷺ اور ائمہ اہل بیت ہی مراد لیتے ہیں۔ حالاں کہ اہل بیت تو ان صحابہ کرام میں شامل ہیں اور اہل سنت جب صحابہ کرام کہتے ہیں تو ان میں اہل بیت شامل ہوتے ہیں۔ رہے باقی ائمہ اہل بیت تو وہ بھی امت کے افراد ہیں ان کا اختصاص امر واقع کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد قرآن پاک ایک جگہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع کروایا۔ جو ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس، پھر ام المومنین

میں اسے حسن قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس روایت کے شواہد اور طرق نقل کیے ہیں۔ (ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۳۲، ۳۳) اور علامہ سیوطی نے بھی الدر المنثور (ج: ۵، ص: ۲۵۱) میں ان روایات کو بیان کیا ہے۔ جن سے اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے اور یہی جمہور مفسرین کی رائے ہے۔

اسی حوالے سے اسلاف کے اقوال مختلف اور اس کی متنوع تعبیرات ہیں۔ مثلاً

سہل بن عبد اللہ تستری فرماتے ہیں: السابق عالم ہے، مقتصد متعلم ہے اور ظالم جاہل ہے۔

ذوالنون مصری کہتے ہیں: ظالم جو صرف زبان سے ذکر کرنے والا ہے، مقتصد دل سے ذکر کرنے والا اور سابق تو اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔

الانطاکی کہتے ہیں: ظالم صاحب الاقوال اور مقتصد صاحب الافعال اور سابق صاحب الاحوال ہے۔

ابن عطاء کہتے ہیں: ظالم وہ جو اللہ سے دنیا کے لیے محبت کرے، مقتصد وہ جو آخرت کے لیے محبت کرے اور سابق وہ جو فنا فی اللہ ہے۔ اللہ کی مراد ہی اس کی مراد ہوتی ہے۔

بعض نے کہا کہ ظالم وہ ہے جسے مال دیا گیا مگر وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا، مقتصد وہ جو خرچ کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو مال نہ ہوتے ہوئے بھی شکر کرتا اور ایثار کرتا ہے۔ کہتے ہیں دو اللہ والے باہم ملے تو ایک نے پوچھا بصرہ کے بھائیوں کا کیا حال ہے۔ دوسرے نے جواب دیا: خوش ہیں، اگر مل جائے تو شکر کرتے ہیں نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔ اس نے کہا یہ تو ہمارے بلخ کے کتے بھی کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں عبادت گزاروں کی حالت یہ ہے کہ نہ ملے تب بھی شکر کرتے اور اگر کچھ مل جائے تو ایثار کرتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں سابق وہ جو مسجد میں اذان سے پہلے آتے ہیں، مقتصد وہ جو اذان کے بعد آتے ہیں اور ظالم وہ جو اقامت صلاۃ کے بعد آتے ہیں۔ اس نوعیت کے اور بہت سے اقوال ہیں جنہیں علامہ قرطبی،

”اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔“  
مگر مسلسل ان کی نافرمانیوں اور انبیائے کرام کی مخالفتوں کے نتیجے میں یہ منصف ان سے چھن گیا، اب یہ ”کتاب حق“ رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی اور اس کا وارث ان کی امت کو بنایا۔ جس میں ان کا اعزاز بھی ہے اور امتحان بھی کہ کیا یہ اس وراثت کے امین بنتے ہیں یا نہیں۔

﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ﴾ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو اپنے بندوں کے بارے میں علیم و خیر ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ قرآن کے ان وارثوں کی حالت کیا ہوگی۔ چنانچہ فرمایا ان میں تین قسموں کے افراد ہیں۔ ظالم، مقتصد، سابق۔ ان تینوں کے بارے میں آراء نہایت مختلف ہیں۔ حضرت عمر، عثمان، ابوالدرداء، ابن مسعود، عقبہ بن عمرو اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ ظالم سے مراد فاسق اور صغائر کا مرتکب ہے۔ یہی جمہور مفسرین کی رائے ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے یہ چھ صحابہ کا قول ہے اور یہی تمہارے لیے کافی ہے۔

یہی ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی امت ہے۔ امت کے ظالموں کی بخشش ہو جائے گی، مقتصدین سے آسان حساب ہوگا اور سابقین بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر رحمہما نے بھی اسی قول کو درست قرار دیا ہے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اسی کی وضاحت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ اس آیت میں سبقت لے جانے والے وہ ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔ اور مقتصدین سے آسان آسان حساب ہوگا اور جو اپنے آپ پر ظلم کریں گے وہ میدانِ محشر میں دیر تک کھڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت فرمائے گا۔ مسند امام احمد میں یہ حدیث ثقہ راویوں سے مروی ہے۔ علامہ پیشی نے کہا ہے اس کے راوی الصحیح کے ہیں۔ (مجمع، ج: ۷، ص: ۹۵)

اسی مفہوم کی حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے جامع ترمذی (ج: ۴، ص: ۱۷۱) میں ہے۔ اور امام ترمذی نے دیگر شواہد کے تناظر

علامہ شوکانی اور علامہ آلوسی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ یہاں استیجاب مقصود نہیں اور نہ ہی ان کے صحت و صواب سے بحث ہے بلکہ بتلانا یہ ہے کہ نتیجہ ان سب کا یہی ہے کہ اس سے مراد امت محمدیہ کے افراد ہیں۔

”ظلم“ کا اطلاق صغیرہ، کبیرہ گناہوں پر ہوتا ہے اور کفر و شرک پر بھی۔ مگر یہاں ظالم سے مراد گناہ ہیں کفر و شرک نہیں۔ اس لیے سابقین اور مقتصدین کے ساتھ گناہگاروں کا ذکر ”اصطفاء“ کے اور جنت میں جانے کے منافی نہیں۔ اور یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ عملی اعتبار سے جو ظالم ہیں وہ بھی اس شرف و فضل میں شامل ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سابقہ تمام مفسرین کی آراء کو بڑی جامعیت سے یوں بیان کیا ہے کہ ”ظالم“ سے مراد وہ جو بعض واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں اور بعض محرمات کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ ”مقتصد“ وہ ہیں جو واجبات کی پابندی کرتے ہیں محرمات سے اجتناب کرتے ہیں۔ البتہ بعض مستحب کو چھوڑ دیتے اور بعض مکروہات میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ”سابقین“ وہ ہیں جو واجبات و مستحبات کا اہتمام کرتے ہیں اور محرمات و مکروہات سے بچتے ہیں حتیٰ کہ بعض مباحات کو بھی کسی شبہ کی بنا پر خیر باد کہہ دیتے ہیں۔

#### دوسری تاویل:

اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ظالم سے مراد کافر ہیں۔ یہی قول ان کے شاگرد حضرت عکرمہ سے منقول ہے۔ یہی رائے امام مجاہد اور حسن بصری کی بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں جن تین قسم کے افراد کا ذکر ہے یہ اسی طرح ہے جیسے سورۃ الواقعہ میں سابقین، اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کا ہے۔ یعنی کافر اصحاب المشئمہ ہیں جن کے بائیں ہاتھ نامہ اعمال ہوگا۔ مقتصدین اصحاب المیمنہ ہیں جن کے دائیں ہاتھ نامہ اعمال ہوگا اور سابقین مقربین ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ اور بعد کی آیت میں ”یدخلونہا“ کی ضمیر انہی دو کے لیے سمجھتے ہیں۔ مگر اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ مقتصد اور سابق کے ساتھ ظالم کو بھی ”اصطفینا“ میں شمار کیا گیا ہے لہذا کافر منتخب

بندوں میں سے کیوں کر ہو سکتا ہے؟ جس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ”فمنہم“ میں تقسیم ”عباد“ کی طرف ہے یعنی ہمارے بندوں میں سے کچھ ظالم ہیں یعنی کافر ہیں۔ مگر یہ بھی تکلف سے خالی نہیں البتہ اگر ”اصطفینا من عبادنا“ سے مراد بنو اسماعیل لیے جائیں جو بنو اسرائیل کے بعد اس کتاب کے مخاطب تھے جنہیں قرآن مجید میں ”امیین“ کہا گیا ہے اور یہود ان کی اس برتری و بزرگی پر معترض بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مخالفت کا سب سے بڑا سبب بھی یہی تھا تو اس تاویل کی بھی گنجائش ہے۔ بلکہ مولانا اصلاحی نے تو اسی رائے کو درست قرار دیا ہے اور تفصیلاً اس کی تائید کی ہے۔

#### ظالم کو پہلے ذکر کرنے کی توجیہات:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں ظالم کو پہلے کیوں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ پہلے اس کا ذکر کیا جانا چاہیے جو شرف و فضل میں مقدم ہے۔ تو اس کے علمائے کرام نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

۱: کسی چیز کا پہلے ذکر ہونا اس کی فضیلت کو مستلزم نہیں جیسے سورۃ الحشر: ۲۰ ہی میں دوزخیوں کا ذکر پہلے آیا ہے۔ ﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ط﴾ (الحشر: ۲۰) جیسے الشوریٰ: ۴۹ میں ہے: ﴿يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَافًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ﴾

۲: ظالموں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح مقتصدین یعنی متوسطین، سابقین سے زیادہ ہوتے ہیں۔ گویا جن کی تعداد زیادہ ان کا پہلے ذکر ہے۔ یہ توجیہ علامہ زنجشیری نے کی ہے۔

۳: ظالم کو اس لیے پہلے ذکر کیا تاکہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور سابق کو مؤخر اس لیے کیا وہ اپنے عمل کے بارے میں خود پسندی کا شکار نہ ہو۔

۴: حضرت جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ ظالم کا پہلے ذکر کیا تاکہ بتلایا جائے کہ اللہ کی رحمت اور اس کے کرم کے بغیر نجات کی کوئی راہ نہیں اور اس کی کرم نوازی ہو تو ظلم اللہ کی پسندیدگی میں مانع نہیں، پھر مقتصدین کا ذکر ہے جن کا معاملہ خوف و رجاء کے



ماہین ہے پھر سابقین کا تاکہ کوئی بھی اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ ہو۔ اگرچہ وہ سب کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔

۵: سابق کو اس لیے مؤخر کیا کہ اس کے بعد جنت کا ذکر ہے تاکہ اس کا جنت سے قرب ظاہر کیا جائے جیسے سورۃ الحج: ۴۰ میں مساجد کو صوامع اور بیچ سے مؤخر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ذکر اللہ کا ذکر ہے۔ یہاں بھی مساجد کو اللہ کے ذکر سے سب سے زیادہ مناسبت اور قرب کی بنا پر مؤخر ذکر کیا گیا ہے۔

﴿مَنْهُمْ مَقْتَصِدٌ وَمَنْهُمْ سَابِقٌ﴾ مقتصد سے مراد میانہ رو ہے یعنی وہ مومن جس سے نیکیوں کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے سورۃ توبہ میں فرمایا ہے:

﴿وَأَخْرَجُوا عَتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (التوبہ: ۱۰۲)

”اور کچھ دوسرے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انہوں نے کچھ عمل نیک اور کچھ دوسرے برے ملا دیے، قریب ہے کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے، یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

یعنی یہ اللہ کے فرماں بردار بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان سے خطائیں بھی ہو جاتی ہیں اور وراثت کی ادائیگی میں بھی وہ میانہ رو ہیں، دین حق کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں مگر کبھی اغماض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

”سابق“ سے مراد تمام امور خیر میں سبقت لے جانے والے ہیں جن میں ایمان اور ہجرت میں سبقت لے جانے والے اور اولین انصار مدینہ اول وہلہ میں شامل ہیں۔ جن کا ذکر خیر سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۰ میں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے امور خیر میں سبقت کا حکم فرمایا ہے:

﴿سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا﴾ (الحديد: ۲۱)  
”اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کی طرح ہے۔“

﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ لَا تُعَدُّ لِّلْمُتَّقِينَ﴾

”اور دوسرے سے بڑھ کر دوڑو اپنے رب کی جانب سے بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین (کے برابر) ہے، ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ (آل عمران: ۱۳۳)

﴿وَلِكُلٍّ وَّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾  
”اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے، جس کی طرف وہ منہ پھرنے والا ہے، سو نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔“ (البقرہ: ۱۴۸)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انبیائے کرام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:  
﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَشِيعِينَ﴾ (الانبیاء: ۹۰)  
”بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی لیے عاجزی کرنے والے تھے۔“

یہی نیکی کے کاموں میں جلدی کرنا مومنین صادقین کا وصف سورۃ المؤمنون: ۶۱، اور آل عمران: ۱۱۴ میں بیان ہوا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

التَّوَدُّةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ خَيْرٌ إِلَّا فِي عَمَلِ الْآخِرَةِ.

(ابوداؤد وغیرہ الصحیحہ: ۱۷۹۴)

”تاخیر ہر معاملہ میں بہتر ہے، مگر آخرت کے لیے عمل میں تاخیر بہتر نہیں۔“



# توفیق الباری

”الادب المفرد“ للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات و فوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکروٹ شالامار باغ۔ لاہور)

باب: من بخل بالسلام

سلام کا جواب دینے میں بخل کرنا

۱۰۷۳ . عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال: الكذب من كذب على يمينه، والبخل من بخل بالسلام، والسروق من سرق الصلاة. (ضعيف الإسناد)

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں سب سے زیادہ جھوٹا وہ آدمی ہے جو جھوٹی قسم کھاتا ہے اور بخل وہ آدمی ہے جو سلام کرنے میں بخل کرے اور سب سے بڑا چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے۔“ یعنی رکوع و سجود پورے نہیں کرتا۔

۱۰۷۴ . عن أبي هريرة قال: أبخل الناس الذي يبخل بالسلام، وإن أعجز الناس من عجز بالدعاء. (صحيح الإسناد)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے زیادہ بخل لوگوں میں وہ آدمی ہے جو سلام کرنے میں بخل کرتا ہے اور لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو دعا کرنے سے عاجز ہو۔“

باب: السلام على الصبيان

بچوں کو سلام کہنا

۱۰۷۵ . عن ثابت البناني، عن أنس بن مالك، أنه مرَّ على صبيان فسلم عليهم وقال:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَفْعَلُهُ بِهِمْ . (صحيح البخاری)  
”ثابت بنانی بیان کرتے ہیں انس بن مالک بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور کہنے لگے کہ نبی اکرم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔“

۱۰۷۶ . عن عنبسة قال: رأيت ابن عمر يسلم على الصبيان في الكتاب.

(صحيح الإسناد)

”حضرت عنبہ بیان کرتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ مکتب میں بچوں کو سلام کرتے تھے۔“

باب: تسليم النساء على الرجال

عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا

۱۰۷۷ . عن أم هانئ ابنة أبي طالب أخبره، أنه سمع أم هانئ تقول: ذهبت إلى النبي ﷺ وهو يغتسل فسلمت عليه فقال: ((من هذه؟)) قلت: أم هانئ قال: ((مرحبا)).

(صحيح البخاری)

”ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس گئی آپ اس وقت غسل فرما رہے تھے میں نے آپ کو کہا آپ ﷺ نے پوچھا کون عورت ہے؟ میں نے عرض کیا: ام ہانی ہوں۔ آپ نے فرمایا خوش آمدید۔“

۱۰۷۸ . سمعت الحسن (هو البصري) يقول: كُنَّ النِّسَاءُ يُسَلِّمْنَ عَلَى الرَّجَالِ . (صحيح الإسناد)

ناشکری بھی ہے اور احسان کرنے والے کی ناشکری بھی ہے۔“

۱۰۸۰. عن أسماء ابنة يزيد الأنصارية: مرَّبى النَّبِيُّ ﷺ وأنا فى جوارِ أترابِ لى، فسَلَّم علينا وقال: ((يَا كُنَّ وَكُفِّرَ الْمُنْعِمِينَ)) وَكُنْتُ مِنْ أَجْرَثِهِنَّ عَلَى مَسْأَلَتِهِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا كُفِّرَ الْمُنْعِمِينَ؟ قَالَ: ((لَعَلَّ أَحَدًا كُنَّ تَطُولُ أَيْمَتُهَا مِنْ أَبَوَيْهَا ثُمَّ يَرْزُقُهَا اللَّهُ زَوْجًا، وَيَرْزُقُهَا مِنْهُ وَلَدًا، فَتَغْضَبُ الْغَضْبَةَ فَتَكْفُرُ، فَتَقُولُ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.))

(صحیح)

”حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی ﷺ ہمارے قریب سے گزرے۔ میں اپنی ہم عمر پڑوس لڑکیوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ہمیں سلام کہا اور فرمایا اپنے احسان کرنے والوں کی ناشکری سے بچو۔ عورتوں کو سوال کرنے کے معاملہ میں زیادہ دیر تھی میں نے عرض کیا۔ یہ احسان کرنے والوں کی ناشکری کیا ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی عورت کا اپنے ماں باپ کے پاس بغیر شادی کے لمبا عرصہ ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو شوہر دیتا ہے پھر بیٹا عطا کرتا ہے پھر وہ جب ناراض ہوتی ہے غصہ کی حالت میں ناشکری کا اظہار کرتی ہے وہ خاوند کو کہتی ہے اللہ کی قسم میں نے کبھی بھی تمہاری طرف سے سکھ کا سانس نہیں پایا۔“

فائدہ: عورت سے شوہر کتنا ہی حسن سلوک اور حسن معاشرت کرے لیکن جب وہ ناراض ہوگی تو تمام احسان بھول کر ناشکری کرنے لگتی ہے۔ یہ خاصہ ہے اس نوع فاسد کا اور یہی کفران سبب ہے ان کے دوزخ میں جانے کا اکثر۔



”حضرت حسن بصری فرماتے ہیں عورتیں مردوں کو سلام کیا کرتی تھیں۔“

باب: التسليم على النساء

عورتوں کو سلام کرنا

۱۰۷۹. عن أسماء أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ فِى الْمَسْجِدِ وَغَضِبَتْ مِنَ النِّسَاءِ فُعُوذٌ، قَالَ بِيَدِهِ إِلَيْهِنَّ بِالسَّلَامِ، فَقَالَ: ((يَا كُنَّ وَكُفِّرَانَ الْمُنْعِمِينَ)) قَالَتْ أَحَدَاهُنَّ: نَعُوذُ بِاللَّهِ - يَا نَبِيَّ اللَّهِ - مِنْ كَفْرَانَ نَعَمِ اللَّهِ، قَالَ: ((بَلَى، إِنَّ أَحَدًا كُنَّ تَطُولُ أَيْمَتُهَا، ثُمَّ تَغْضَبُ الْغَضْبَةَ فَتَقُولُ: وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ مِنْهُ سَاعَةً خَيْرًا قَطُّ، فَذَلِكَ كُفْرَانُ نَعَمِ اللَّهِ، وَذَلِكَ كُفْرَانُ الْمُنْعِمِينَ.))

(صحیح)

”حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ مسجد سے گزرے عورتوں کی ایک جماعت وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو سلام کیا اور فرمایا احسان کرنے والوں کی ناشکری سے بچو۔ احسان کرنے والوں کی ناشکری سے بچو۔ ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ناشکری کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کسی عورت کا بغیر شوہر رہے عرصہ لمبا ہو جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو شوہر دیتا ہے تو وہ اس کی ناشکری کرتی ہے۔ پھر اس کو جب غصہ آتا ہے تو کہتی ہے اللہ کی قسم میں نے تجھ میں کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی

# تورات، زبور، انجیل اور قرآن کریم کے درمیان تقابلی جائزہ

حافظ ثناء اللہ مدنی

لفظ قرآن پر بحث:

لفظ قرآن مصدر ہے۔ جس کا معنی ہے ”پڑھنا“ یہ اللہ عزوجل کی کتاب کا خاص نام ہے جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی، جب کہ کسی دوسری آسمانی کتاب کا بطور معروف نام قرآن نہیں ہے۔ نیز اس کا اطلاق قرآن کریم کے جزوکل سب پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔

وجہ تسمیہ:

قرآن کی وجہ تسمیہ کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں: کسی نے ”قرآن“ کا معنی ”جمع کرنا“ کیا ہے، چون کہ قرآن سابقہ کتب الہیہ کا حاصل اور مجموعہ ہے۔ چنانچہ ”صحیح بخاری“ کے ”ترجمۃ الباب“ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

الْمُهِمِّنُ الْأَمِينُ: الْقُرْآنُ أَمِينٌ عَلَى كُلِّ كِتَابٍ قَبْلَهُ. (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن)

یعنی ”قرآن ہر اس کتاب پر امین ہے جو اس سے پہلے تھی۔“ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”فتح الباری“ میں اس قول کی توجیہ یوں بیان کی ہے:

إِنَّ الْقُرْآنَ تَضَمَّنَ تَصْدِيقَ جَمِيعِ مَا أُنْزِلَ قَبْلَهُ إِلَّا أَنَّ الْأَحْكَامَ الَّتِي فِيهِ إِمَّا مُقَرَّرَةٌ لِمَا سَبَقَ وَإِمَّا نَاسِخَةٌ، وَذَلِكَ يَسْتَدْعِي إِثْبَاتَ الْمُنْسُوخِ وَإِمَّا مُجَدِّدَةً، وَكُلُّ ذَلِكَ دَالٌّ عَلَى تَفْضِيلِ الْمُجَدِّدِ. (فتح الباری: ۴/۹)

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے مزید یوں اضافہ کیا ہے کہ قرآن تمام علوم کا مجموعہ ہے جب کہ ابوعبیدہ رقم طراز ہیں کہ سورتوں کا مجموعہ ہے۔

نزول قرآن:

قرآن کریم کا نزول اور اس کی تکمیل، رفتہ رفتہ ۲۳ سالوں میں ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

”اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔“

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً فَمَا أَغْنَاهُ﴾ (الفرقان: ۳۲)

”اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اتارا گیا اس طرح (آہستہ آہستہ) اس لیے (اتارا گیا) کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور (اسی واسطے) ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے رہے ہیں۔“

آیت ہذا کے تحت بعض مفسرین نے لکھا ہے: اس آیت میں دلیل ہے کہ دیگر آسمانی کتب یکمشت نازل ہوئیں تھیں۔

(احکام القرآن لابن بکر ابن العربی)

قرآن مجید کے اس طرح تدریجاً اترنے کی علماء نے کئی حکمتیں بیان کی ہیں اور خود قرآن حکیم میں بعض کی طرف اشارات ملتے ہیں، مثلاً:

۱: تاکہ لوگوں کو اچھی طرح یاد ہو جائے:

﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ﴾

(طبرانی: ۳/ ۲۵۸-۲۵۹)

”رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر قرآنی وحی کا آغاز حراء میں ”سورۃ العلق“ کی ان ابتدائی آیات کے نزول کے ساتھ ہوا:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق: ۱-۵)

”(اے محمد ﷺ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو! جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو! اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔“

بعد ازاں تقریباً اڑھائی سال وحی منقطع رہی پھر سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور وحی کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، باب بدء الوحی جمع وتدوین قرآن:

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جمع وتدوین قرآن کا کام دو طرح سے ہوتا تھا۔

حفظ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً فَكَانَ يُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَهُ وَشَفَتَيْهِ مَخَافَةَ أَنْ يَنْفَلِتَ مِنْهُ يُرِيدُ أَنْ يَحْفَظَهُ ..... أَنْزَلَ اللَّهُ: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجْعَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ .....﴾ أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ. (صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف كان بدء الوحی إلى رسول الله ﷺ.....)

یعنی ”آنحضرت ﷺ قرآن اترتے وقت مشقت میں پڑ جاتے تھے پس جب بھی وحی اترتی تو آپ ﷺ اپنے لب

تَنْزِيلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

۲: تحدی اور چیلنج کے لیے مثلاً پہلے اس جیسا قرآن لانے کا پھر دس سورتیں اور آخر میں اس جیسی صرف ایک سورت لانے کا چیلنج کیا۔ اور سورت سے مراد ہے وہ نظم قرآنی جس کی کم از کم تین آیات ہوں۔

۳: آنحضرت ﷺ کے حفظ و فہم کی سہولت کے لیے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجْعَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝﴾ (القیامہ: ۱۷، ۱۶)

”اور اے محمد ﷺ! وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اس کو جلد یاد کرلو۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔“

۴: تاکہ واقعات و حوادث زمانہ کے ساتھ مطابقت ہو سکے۔

۵: تاکہ شریعت کا بیک وقت بوجھ ڈالنے کی بجائے تدریجاً احکام نازل ہوں جن کو قبول کرنا آسان ہو۔ قرآن مجید کا نزول لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر رمضان المبارک میں شب قدر کو ہوا تھا۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرہ: ۱۸۵)  
”(روزوں کا مہینا) رمضان کا مہینا (ہے) جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا۔“

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ﴾ (الدخان: ۳)  
”کہ ہم نے اس (کتاب) کو مبارک رات میں نازل فرمایا۔“

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱)  
”ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: أَنْزَلَ الْقُرْآنُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا جُمْلَةً وَاحِدَةً ثُمَّ أُنْزِلَ نُجُومًا.

مَنَّا لِيَعْلَمَهُ الْقُرْآنَ بِمَكَانٍ يَسْتَمِعُ لِمَسْجِدِ  
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلَ الْيَمَامَةِ سَبْعُونَ مِنَ الْقُرَّاءِ .  
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّ يَخْفِضُوا أَصْوَاتَهُمْ لِئَلَّا  
يَتَغَالَطُوا . (الحاكم في المستدرک: ۳/۳۶۵ وقال  
الذهبی صحیح)

پھر وہ لوگ جو بڑے معونہ میں شہید کر دیے گئے۔ ان کی تعداد ستر تھی  
اور وہ سب کے سب قراء تھے۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب  
غزوة الرجیع ورعل..... وبئر معونة: ۴۰۸۸)

نیز علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:  
قُتِلَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ سَبْعُونَ مِنَ الْقُرَّاءِ .  
یعنی ”جنگ یمامہ میں ستر قاری شہید ہوئے تھے۔“  
کتابت:

رسول اللہ ﷺ نے اس فریضہ کی اہمیت کے پیش نظر چند ایک  
جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً حضرت علی، معاویہ، ابی بن کعب، زید بن  
ثابت رضی اللہ عنہم کو کاتب وحی مقرر کیا ہوا تھا۔ روایات شاہد ہیں کہ جب  
کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ زید رضی اللہ عنہ کو حکم فرماتے کہ اسے  
فلاں سورت میں فلاں جگہ رکھ دو۔

(مسند الإمام احمد: ۴/۲۱۸ (۱۷۸۴۲))

سور اور آیات کی ترتیب:

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں صرف آیات  
کی ترتیب تھی لیکن سورتوں کی ترتیب کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں اہتمام  
کیا گیا۔ شیخ مناع القطان فرماتے ہیں:  
وَقَبِضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالْقُرَّانُ مَحْفُوظٌ فِي  
الصُّدُورِ أَوْ مَكْتُوبٌ فِي الصُّحُفِ عَلَى نَحْوِ مَا

ہلاتے رہتے اس لیے آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ (وحی اترتے  
وقت) اس ڈر سے کہ مبادا بھول نہ جاؤ زبان نہ ہلایا کرو،  
اس کا تمہارے دل میں جما دینا اور اس کا پڑھا دینا  
ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم اس کو پڑھا کریں (یعنی جبریل  
آپ ﷺ کو پڑھائے) تو جیسے جبریل پڑھ کر سنائے تم بھی  
اسی طرح پڑھا کرو، پھر یہ بھی ہمارا ہی کام ہے کہ ہم تمہاری  
زبان سے اس کو پڑھوا دیں گے یا اس کے معنی اور مطالب  
تجھ پر کھول دیں گے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی اقتداء میں بصد شوق آیات  
قرآنیہ حفظ کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

إِنِّي لَأَعْرِفُ رُفْقَةً لِلْأَشْعَرِيِّينَ بِاللَّيْلِ حِينَ  
يَدْخُلُونَ وَأَعْرِفُ مَنَازِلَهُمْ مِنْ أَصْوَاتِهِمْ  
بِالْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ وَإِنْ كُنْتُ لَمْ أَرَ مَنَازِلَهُمْ حِينَ  
نَزَلُوا بِالنَّهَارِ . (صحیح البخاری، کتاب المغازی،  
باب غزوة خیبر: ۴۲۳۲)

دوسری روایت میں ہے:

خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ  
مَسْعُودٍ وَعَنْ سَالِمٍ وَمُعَاذِ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ . (صحیح البخاری، کتاب فضائل  
القرآن، باب القراء من أصحاب النبی ﷺ: ۴۹۹۹)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طمع و حرص اور مہارت کے باوجود رسول  
اللہ ﷺ ان کے لیے معلّم قرآن کا اہتمام فرماتے۔ عبادہ بن  
صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

كَانَ الرَّجُلُ إِذَا هَاجَرَ دَفَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى رَجُلٍ

☆ خلیفہ بن خیاط اپنی تاریخ (ص: ۱۱۵) میں فرماتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار میں سے کل (۵۸) آدمی شہید ہوئے۔ جمیع من استشهد من الانصار  
أربعة وثلاثون رجلا فجميع ذلك من المهاجرين والانصار ثمانية وخمسون رجلا اس کو امام ذہبی نے تاریخ اسلام (عہد خلفاء الراشدین  
ص: ۱۰۳) میں اور ابن کثیر نے البدایہ (۶/۳۴۵) میں نقل کیا اور ابن کثیر نے اتنا زیادہ کہا کہ بقیہ (۲۵۰) شہداء ان (صحابہ) کے علاوہ تھے۔ یعنی بقیہ  
الاربع مائة والخمسين من غيرهم والله اعلم



کا حکم دیا۔

یہ صحیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ کی تحویل میں چلے گئے۔ (صحیح البخاری: ۴۹۸۶) اس کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی شکایت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۲۵ھ میں قرآن مجید کو یک جا کرنے کا فیصلہ کیا۔  
حضرات ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے جمع میں فرق امام ابن التین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ جَمْعَ أَبِي بَكْرٍ كَانَ لِحَشْيَةٍ أَنْ يَذْهَبَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ بِذَهَابِ حَمَلَتِهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مَجْمُوعًا فِي مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَجَمَعَهُ فِي صَحَائِفٍ مُرْتَبًا لِآيَاتِ سُورِهِ عَلَى مَا وَفَّقَهُمْ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَجَمَعَ عُثْمَانُ كَانَ لَمَّا كَثُرَ الْإِخْتِلَافُ فِي وَجْهِ الْقُرْآنِ حِينَ قَرَأُوهُ بِلُغَاتِهِمْ عَلَى اتِّسَاعِ اللُّغَاتِ فَأَدَّى ذَلِكَ بَعْضُهُمْ إِلَى تَخْطِئَةِ بَعْضٍ فَخَشِيَ مِنْ تَفَاقُمِ الْأَمْرِ فِي ذَلِكَ، فَنَسَخَ تِلْكَ الصُّحُفَ فِي مُصْحَفٍ وَاحِدٍ مُرْتَبًا سُورَهُ، وَاقْتَصَرَ مِنْ سَائِرِ اللُّغَاتِ عَلَى لُغَةِ قُرَيْشٍ مُحْتَجًّا بِأَنَّهُ نَزَلَ بِلُغَتِهِمْ إِنْ كَانَ قَدْ وَسَّعَ فِي قِرَائَتِهِ بِلُغَةٍ غَيْرِهِمْ رَفْعًا لِلْحَرَجِ وَالْمُسْتَقَّةِ فِي ابْتِدَاءِ الْأَمْرِ فَرَأَى أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ذَلِكَ انْتَهَتْ فَاقْتَصَرَ عَلَى لُغَةِ وَاحِدَةٍ وَكَانَتْ لُغَةُ قُرَيْشٍ أَرْجَعَ اللُّغَاتِ فَاقْتَصَرَ عَلَيْهَا. (فتح الباری: ۱۲/۹)

”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قرآن کو جمع کرنا اس خوف سے تھا کہ کہیں حاملین قرآن کے دنیا سے اٹھ جانے کی وجہ سے اس کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس لیے کہ پہلے سے قرآن ایک جگہ جمع نہیں تھا۔ انہوں نے اس کو نبی اکرم ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق آیات کی ترتیب کے

سَبَقَ مُفَرَّقُ الْآيَاتِ وَالسُّورِ أَوْ مُرْتَبُّ الْآيَاتِ فَقَطُّ وَكُلُّ سُورَةٍ فِي صَحِيفَةٍ عَلَى حِدَّةٍ.

(ملاحظہ ہو: مباحث فی علوم القرآن، ص: ۲۴)

علامہ بیہقی اور سیوطی رحمہما کا خیال یہ ہے کہ ”سورۃ البراءۃ“ اور ”سورۃ الانفال“ کے علاوہ باقی سب سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور حیات میں قرآن مجید کو یکجا کرنے میں کیا امر مانع تھا؟ تو اس کے جواب میں امام ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں:

يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّمَا لَمْ يَجْمَعْ الْقُرْآنَ فِي الْمُصْحَفِ لِمَا كَانَ يَتَرَقَّبُهُ مِنْ وُرُودِ نَاسِخٍ لِبَعْضِ أَحْكَامِهِ أَوْ تِلَاوَتِهِ لَمَّا انْقَضَى نُزُولُهُ بِوَفَاتِهِ ﷺ أَلْهَمَ اللَّهُ الْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ ذَلِكَ وَنَاءً لِعَوْدِ الصَّادِقِ بِضَمَانِ حِفْظِهِ عَلَى هَذِهِ الْأُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ زَادَهَا اللَّهُ شَرَفًا فَكَانَ ابْتِدَاءً ذَلِكَ عَلَى يَدِ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِمَشُورَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. (ملاحظہ ہو: فتح الباری

شرح صحیح البخاری للحافظ ابن حجر: ۲/۹)

یعنی ”ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن کو اس لیے جمع نہ کیا ہو کہ آپ ﷺ آیات کی تلاوت یا احکام میں کسی بھی وقت نسخ کے منتظر رہتے تھے۔ جب آپ ﷺ کی وفات سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر ہوا۔“

جمع قرآن عہد صدیق رضی اللہ عنہ اور عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں:

قرآن مجید کے صحف میں جمع کرنے کا عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا، چنانچہ انہوں نے کچھ تردد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اشارہ پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری کو اس کے جمع ہونے

ساتھ صحیفوں میں جمع کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمع کرنا اس وقت تھا جب وجہ قراءت میں زبانوں کی وسعت سے بہت سارا اختلاف پیدا ہوا۔ اس بنا پر بعض لوگ بعض کو غلطی پر قرار دینے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں معاملہ بڑھ نہ جائے۔ بنا بریں انہوں نے قرآن کو متعدد صحف کی بجائے سورتوں کی ترتیب کے ساتھ ایک مصحف میں جمع کر دیا اور سب زبانوں کی بجائے صرف لغت قریش کو کافی سمجھا کیوں کہ قرآن کا نزول اسی زبان میں ہوا تھا۔ اگرچہ ابتداء میں (آسانی کے لیے) اور تنگی و مشقت کے رفع کی بنا پر دیگر زبانوں میں قراءت کو روا رکھا گیا تھا۔ جب انہوں نے یقین کر لیا کہ اب چوں کہ ضرورت پوری ہو چکی ہے اور سب سے اچھی زبان لغت قریش ہی ہے۔ لہذا اسی پر ہی اکتفاء کر لیا۔“

#### صحف اور مصحف میں فرق:

إِنَّ الصُّحُفَ: الْأَوْرَاقُ الْمَجْرَدَةُ الَّتِي جُمِعَ فِيهَا الْقُرْآنُ فِي عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ وَكَانَتْ سُورًا مُفْرَقَةً وَكُلُّ سُورَةٍ مُرْتَبَةً بِآيَاتِهَا عَلَى حِدَةٍ لَكِنْ لَمْ يُرْتَبْ بَعْضُهَا أَثَرِ بَعْضٍ فَلَمَّا نُسِخَتْ رُتِبَ بَعْضُهَا أَثَرِ بَعْضٍ صَارَتْ مُصْحَفًا.

(فتح الباری: ۱۸/۹)

”صحف“: خالی اوراق کا نام ہے جن میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن جمع کیا گیا تھا۔ یہ صرف آیات کی باہمی ترتیب کے ساتھ علیحدہ علیحدہ سورتیں تھیں لیکن سورتوں کی آگے پیچھے (موجودہ) ترتیب نہ تھی۔ جب ان کو نقل کر کے (موجودہ صورت میں) ترتیب دیا گیا تو وہ مصحف بن گیا۔“

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت انصاری اور عبداللہ بن زبیر قریشی، سعید بن عاص اور عبدالرحمن بن حارث بن ہاشم (رضی اللہ عنہم) کو اس منصوبہ کی تکمیل پر مامور فرمایا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی

کر دی کہ اگر تمہارے اور زید کے درمیان رسم الخط میں اختلاف پیدا ہو جائے تو لغت قریش کو اختیار کیا جائے۔ اسی اثناء میں ایک مرتبہ لفظ ”التابوت“ کی ”تا“ کے بارے میں باہم اختلاف پیدا ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لہجہ قریش کے مطابق تائے مطلوبہ لکھنے کا حکم دیا:

قَالَ ابْنُ شَهَابٍ: فَاخْتَلَفُوا يَوْمَئِذٍ فِي التَّابُوتِ وَالتَّابُوتِ، فَقَالَ الْقُرَشِيُّونَ: التَّابُوتُ، وَقَالَ زَيْدٌ: التَّابُوتُ، فَرَفَعَ اخْتِلَافَهُمْ إِلَى عُثْمَانَ، فَقَالَ: اُكْتُبُوهُ التَّابُوتُ، فَإِنَّهُ نَزَلَ بِلسَانِ قُرَيْشٍ. (فتح الباری: ۲۰/۹)

الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کے کئی ایک نسخے تحریر کروائے اور انہیں مختلف شہروں میں بھیجنے کا اہتمام کیا اور ایک نسخہ خاص طور پر اپنے لیے مخصوص رکھ لیا جسے ”الامام“ کہا جاتا ہے۔ مگر اب تک جو جدوجہد ہوئی تھی وہ قرآن کی صحت کی ضامن نہ تھی کیوں کہ عجم کے اختلاط کی وجہ سے اس میں لحن پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ قرآن کو لحن، تصحیف اور تحریف سے محفوظ کرنے کے لیے مزید اقدامات کیے جائیں، چنانچہ زیاد بن ابیہ نے ابواسود دؤلی کو قرآن پر اعراب لگانے کا حکم دیا۔ تو انہوں نے انتہائی اہتمام سے اعراب کی تصحیح کی۔ ان کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی نے قرآن پر نقط لگانے کی خدمت نصر بن عاصم کے سپرد کی جو اپنے وقت کے بہت بڑے نحوی اور قاری تھے۔ مگر اعراب اور نقط میں فرق کرنا مشکل تھا۔ کیوں کہ اس وقت اعراب نقطوں کی صورت پر دیئے جاتے تھے۔ اس لیے اعراب کو سرخ سیاہی کے ساتھ ممتاز کیا گیا پھر بعد ازاں خلیل بن احمر نے اعراب اور نقط کو موجودہ شکل میں ترتیب دیا جس کے بعد سرخ سیاہی کے ذریعہ امتیاز کی ضرورت باقی نہ رہی۔ نیز حفاظت قرآن کا یہ سارا کام حکومت کے ذریعے انجام پایا۔ ارباب حکومت نے علمائے وقت کو اس کی دعوت دی تو انہوں نے بخوشی اس کام کو سرانجام دیا۔ مگر علماء نے صرف اس پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بعد میں بھی



(صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء  
من أصحاب رسول اللہ ﷺ: ۵۰۰۲)

یعنی ”اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں ہر  
آیت کے بارے میں بخوبی جانتا ہوں کہاں نازل ہوئی اور  
کس بارے میں نازل ہوئی۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ کتاب اللہ  
کا مجھ سے بڑا کوئی جاننے والا ہے تو میں رخت سفر باندھ کر  
اس کے پاس جانے کے لیے تیار ہوں۔“

امام ابو عبد الرحمن السلمی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

حَدَّثَنَا الَّذِينَ كَانُوا يُقْرُونَ الْقُرْآنَ، كَعُثْمَانَ  
بْنِ عَفَّانٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ  
تَعَالَى عَنْهُمَا وَغَيْرُهُمَا أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا تَعَلَّمُوا  
مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ آيَاتٍ لَمْ يَجَاوِزُوهَا حَتَّى  
يَتَعَلَّمُوا مَا فِيهَا مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، قَالُوا:  
فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيعًا.

”ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا جو ہمیں قرآن پڑھاتے  
رہے ہیں، مثل عثمان بن عفان اور عبد اللہ بن مسعود اور ان  
جیسے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے، کہ وہ نبی ﷺ سے جب  
قرآن کی دس آیتیں سیکھ لیتے تو ساتھ ہی علم و عمل کی تعلیم بھی  
حاصل کر لیتے، کہتے ہیں کہ: اس طرح ہم نے قرآن اور علم  
و عمل سب کچھ ایک ساتھ سیکھ لیا۔“

پھر اس کتاب مطہر کو صرف کاغذوں کا محتاج نہیں رکھا بلکہ اس کو  
لوگوں کے دلوں میں استقرار بخشا جو کسی بھی الہامی کتاب کو نصیب نہ  
ہو سکا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾

(العنکبوت: ۴۹)

قرآن مجید کی کل آیات (قطع نظر از اختلاف روایات: ۶۲۳۶)  
کل الفاظ: ۶۲۴۰ اور کل حروف: ۳۲۳۶۷۱ ہیں۔

حفاظت قرآن کے کام کو جاری و ساری رکھا۔ کلمات کی تصحیح کے لیے  
قواعد مرتب کیے، فقہی احکامات کا استنباط کیا اور مخارج حروف متعین  
کیے۔ جن علماء نے استنباط احکام پر زور دیا اور اس کے لیے کام کیا  
انہیں فقہاء کے لفظ سے پکارا گیا۔ اور جنہوں نے اعراب کی تصحیح کا  
اہتمام کیا انہیں نحوی کہا گیا اور جن علماء نے الفاظ کی تصحیح کا ذمہ لیا انہیں  
قراء کہا گیا۔

چوں کہ باری تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو آخری نبی اور قرآن  
کو آخری کتاب کے شرف سے نوازا۔ اس لیے حکمت و مصلحت کا  
تقاضا تھا کہ قرآن کریم تا قیامت محفوظ و مامون رہے۔ انسانی ہاتھ  
اس میں کسی قسم کی تغیر و تحریف پر جرأت نہ کر سکیں۔ اسی بنا پر اللہ رب  
العزت نے قرآن مجید کی حفاظت و صیانت خود اپنے ذمہ لی ہے۔  
ارشاد ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

”بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم نے اتاری ہے اور ہم  
ہی اس کے نگہبان ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اس کے فضل و کرم سے اس میں روز  
قیامت تک زبر، زیر کا بھی فرق واقع نہیں ہو سکتا:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ

حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (فصلت: ۴۲)

”اس (کتاب) پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ  
پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری  
ہوئی ہے۔“

مقدمہ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول  
ہے:

وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مَا نَزَلَتْ مِنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ  
اللَّهِ إِلَّا وَأَنَا أَعْلَمُ فِيمَنْ نَزَلَتْ وَأَيْنَ نَزَلَتْ، وَلَوْ  
أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللَّهِ مَنِي تَنَالَهُ الْمَطَايَا لَا تَنِيَّتْ.

جب کہ دوسری طرف علمائے یہود و نصاریٰ اپنی اصلی کتب کی نشان دہی سے بھی عاجز اور بے بس ہیں بلکہ اہل کتاب خود بھی اس بات کے معترف ہیں کہ اصل کتابیں ناپید ہیں۔

مذکورہ بالا بحث میں تین مشہور و معروف الہامی کتابوں کا مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ اب میں چاہوں گا کہ اختصار کے ساتھ ”زبور“ کا کچھ تذکرہ ہو جائے کیوں کہ قرآن پاک میں ”زبور“ کا ذکر صراحت کے ساتھ متعدد مقامات پر موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ (بنی اسرائیل: ۵۵) پھر یہ چار معروف آسمانی کتابوں میں سے ایک ہے۔

”زبور“ زبور وہ آسمانی کتاب ہے جو اللہ کے پیامبر حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

لفظ ”زبور“ زبر سے ہے جس کے معنی لکھنے کے ہیں اور فَعُول کے وزن پر آتا ہے جو مفعول کے معنی میں ہے یعنی ”مَكْتُوب“ نیز یہ مفرد ہے اس کی جمع ”زُبُر“ ہے جیسے رسول کی جمع ”رُسُل“ ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”زبور“ وہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تعلیم فرمایا تھا۔ یہ ایک سو پچاس سورتوں پر مشتمل ہے جو تمام تر دعا و تمجید و تہجد اور حق تعالیٰ کی ثناء میں ہیں، ان میں حلال و حرام و فرائض حدود مذکور نہیں۔

(تفسیر معالم التنزیل: ۱۹۶/۳، طبع بمبئی: ۱۲۷۶ء)

واضح رہے کہ موجودہ ”زبور“ کے بھی ایک سو پچاس ہی حصے ہیں جن کو اہل کتاب کی اصطلاح میں ”زبور“ کہا جاتا ہے۔ مگر یہ وہ اصلی ”زبور“ نہیں ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی بلکہ خربین اہل کتاب نے اس کو بہت بدل ڈالا ہے چنانچہ موجودہ ”زبور“ خود اس امر کی زندہ شہادت ہے کہ یہ سب ”مزبور“ حضرت داؤد علیہ السلام کے نہیں ہیں کیوں کہ ان میں اگر بعض پر حضرت داؤد کا نام مذکور ہے تو بعض پر ”قورح“ کا جو نغمہ سراؤں کا استاد تھا، اور بعض پر ”شوشینم کیسروں پر آصف“ کا، اور بعض پر ”گیت“ کا اور بعض پر کسی کا نام نہیں ہے۔ نیز بعض مزبوروں میں ایسے واقعات کا تذکرہ ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام

کے صدیوں بعد پیش آئے۔ (لغات القرآن)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”الْجَوَابُ الصَّحِيحُ لِمَنْ بَدَّلَ دِينَ الْمَسِيحِ“ میں رقم طراز ہیں:

وَقَدْ رَأَيْتُ أَنَا مِنْ نُسْخِ الزَّبُورِ فِيهِ تَصْرِيحٌ بِنُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ بِاسْمِهِ وَرَأَيْتُ نُسْخَتَهُ أُخْرَى بِالزَّبُورِ فَلَمْ أَرْ ذَلِكَ فِيهَا وَحِينَئِذٍ فَلَا يَمْنَعُ أَنْ يَكُونَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ مِنْ صِفَاتِ النَّبِيِّ ﷺ مَا لَيْسَ فِي أُخْرَى .

یعنی ”میں نے زبور کے چند نسخے دیکھے ہیں جن میں حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ نبوت کی تصریح موجود ہے اور زبور کا دوسرا نسخہ بھی دیکھا ہے جس میں یہ شے موجود نہیں، تو ممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی صفات حمیدہ کا تذکرہ بعض نسخوں میں ہو اور بعض دوسرے نسخے اس سے خالی ہوں۔“



## اسلام میں خواتین کی اہمیت اور ان کے حقوق کا تحفظ

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر (ڈائریکٹر سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور)

بیویوں کے حقوق کی اہمیت:

ظہور اسلام کے بعد بھی بعض لوگوں نے عورت کو بے قدری کی نگاہ سے دیکھا، اس بے قدری کی ایک شکل یہ تھی کہ عبادت و ریاضت میں محو ہو کر بیویوں کی کوئی خبر نہیں لیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑی تفصیل سے کتب احادیث میں مذکور ہے کہ کثرت عبادت کی بنا پر ان کی بیویوں کو شکایت پیدا ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے بلا کر ان سے فرمایا کہ ”تمہاری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔“

(بخاری، الجامع الصحيح: ۹۰۵/۲)

اس حق کی تفصیل یہ ہے کہ مرد لباس اور وضع قطع میں صاف ستھرا رہے، تاکہ اس کو دیکھ کر بیوی کو مسرت ہو جس طرح شوہر یہ چاہتا ہے کہ بیوی صاف ستھری رہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی کی زیب و زینت کا سامان فراہم کرے، تاکہ وہ نظافت کا خیال رکھے۔ آگے بیوی کے حقوق اور مرد کے فرائض کی کسی قدر تفصیل پیش کی جاتی ہے:

۱- حسن سلوک:

عورت کی بیماری یا ناگہانی پریشانی میں اس کی دل جوئی اور دل داری کرے، بیوی کے جذبات کا پاس و لحاظ رکھے، زیادہ دیر پردیس میں نہ رہے، اگر مجبوراً رہنا پڑے تو اپنی بیوی بچوں کو بھی ساتھ رکھے اور بیوی کو اس کے والدین اور قریبی محرم رشتہ داروں سے ملنے کی اجازت بھی دے۔

آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

”لوگو! عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو، وہ تمہاری

زیرنگیں ہیں، تم نے ان کو اللہ کے عہد پر اپنی رفاقت میں لیا ہے اور ان کے جسموں کو اللہ ہی کے قانون کے تحت اپنے تصرف میں لیا ہے، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ گھر میں کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمہیں ناگوار ہے، اگر ایسا کریں تو تم ان کو ہلکی ہلکی مار مار سکتے ہو اور تم پر ان کو کھانا اور پلانا فرض ہے۔“ (ترمذی، السنن: ۱۵۷/۲)

”بے شک تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے، تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ پاک دامن رہیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں، غیر محرم کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں اور عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں کمی نہ کرو۔“

(ترمذی، السنن: ۱۵۷/۲)

حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، ایک صحابی نے آ کر دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟ فرمایا، ”جیسے خود کھائے اور پہنے ویسا اسے کھائے اور پہنائے، نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے اور نہ سزا کے طور پر اس کو گھر سے نکالے۔“ (ابن ماجہ، السنن، ص: ۱۳۴)

خود آنحضور ﷺ کی گھریلو زندگی ایک بہترین نمونہ تھی، آپ ﷺ ہمیشہ اپنے اہل خانہ سے محبت و پیار کا سلوک کرتے تھے۔

۲- حق مہر:

یہ وہ رقم ہے جو حق زوجیت کے عوض عورت کو ادا کی جاتی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ

مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَبْنًا مَّرِيَّتًا﴾ (النساء: ۴)

”عورتوں کے مہر خوش دلی سے ادا کرو، ہاں اگر وہ خوشی سے

اس میں کچھ تمہیں معاف کر دیں تو اسے مزے سے کھا سکتے ہو۔“  
”ان (محرم اور شوہر والی عورتوں) کے سوا جتنی عورتیں ہیں،  
انہیں اپنے مال کے ذریعہ حاصل کرنا تمہارے لیے حلال  
کر دیا گیا ہے، بہ شرطیکہ حصار میں ان کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ  
آزادانہ شہوت رانی کرنے لگو، پھر جو تم ان سے ازدواجی  
زندگی کا لطف اٹھاؤ، اس کے بدلے ان کو فرض کے طور پر مہر  
ادا کرو۔“ (النساء: ۴)

بہر حال مہر کی ادائیگی ضروری ہے، یہ کوئی متعین رقم نہیں ہے بلکہ  
مرد کی استطاعت کے لحاظ سے بہ وقت نکاح جو طے پائے وہ مرد کو ادا  
کرنی پڑتی ہے اور مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ حیلے بہانے سے  
رقم کو ہضم کرے یا اس کا کچھ حصہ اڑالے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:  
”جس نے مال مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ  
تھی کہ مہر ادا نہیں کرے گا، وہ دراصل زانی ہے اور جس نے قرض لیا  
اور نیت یہ تھی کہ قرض ادا نہیں کرے گا، وہ دراصل چور ہے۔“

(ابن تیمیہ، مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱۹۳/۳۲)  
تاہم بیوی کو معاف کرنے کا حق ہے، چاہے کچھ معاف کرے یا  
پورا معاف کرے، مگر یہ اس کا معاف کرنا اپنی آزادانہ مرضی سے ہو،  
اگر جبر سے معاف کرایا جائے تو فقہاء کے نزدیک شوہر اس کو ادا  
کرنے کا پابند ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

عن عقبۃ عن النبی ﷺ قال احق ما اوفیتم من  
الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج .  
(بخاری، الجامع الصحیح: ۷۷۴/۲ باب الشروط فی  
النکاح)

”سب سے زیادہ پوری کرنے کے لائق وہ شرط ہے جس  
کے ذریعے عورتوں کی عصمت کو تم نے اپنے لیے حلال بنایا  
ہے، یعنی مہر۔“

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تھوڑے یا

زیادہ جس قدر مہر پر بھی کسی عورت سے نکاح کیا اور اندر سے تہیہ کر لیا  
کہ بیوی کے اس حق کو ادا نہیں کرے گا تو یہ اس کے ساتھ فریب اور  
دھوکا ہوگا اور اگر اس نے اس حق کو ادا نہ کیا اور مرگیا تو قیامت کے  
روز خدا کے سامنے زنا کار کے روپ میں پیش ہوگا۔

(مجمع الزوائد: ۱۳۵/۴)

۳- نان و نفقہ:

شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی کی تمام ضروریات پوری  
کرے، اپنی حیثیت کے مطابق جیسا خود پہنے ویسا اس کو بھی پہنائے  
اور جیسا خود کھائے ویسا ہی اس کو کھلائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”خوش حال آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب آدمی  
اپنی استطاعت کے مطابق معروف طریقے سے نفقہ دے۔“

(البقرہ: ۲۳۶)

نفقہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو نہیں دیتا تو اس کی دونو عتیں ہو سکتیں  
ہیں، ایک تو یہ کہ وہ دینے کی استطاعت ہی نہیں رکھتا یا پھر استطاعت  
تو رکھتا ہے مگر اس کے باوجود نہیں دیتا، اول الذکر صورت میں مختلف  
فقہی نظریات ہیں لیکن اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک  
اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے کہ ماہ یا دو ماہ یا کچھ مناسب مدت  
مرد کو مہلت دی جائے لیکن اگر وہ پھر بھی نفقہ کا بندوبست نہ کر سکے تو  
پھر زوجین میں علیحدگی کرا دی جائے اور جو شخص استطاعت رکھنے کے  
باوجود عورت کو نفقہ نہیں دیتا تو یہ ظلم ہے، قاضی کا فرض ہے کہ وہ عورت  
کو نفقہ دینے پر مرد کو مجبور کرے، اگر شوہر پھر بھی حاکم کے حکم کی تعمیل  
نہ کرے تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قاضی ان میں علیحدگی کرا دے،  
کیوں کہ قرآن کی رو سے نفقہ عورت کا حق ہے اور جب کوئی مرد  
استطاعت کے باوجود عورت کو خرچہ نہیں دیتا تو عورت کا اس مرد سے  
بندھے رہنا بہت سے فسادات کا باعث ہو سکتا ہے۔

۴- عدل و انصاف:

اسلام چوں کہ زنا کو انسانی معاشرے کے لیے دینی، اخلاقی،  
روحانی اور تہذیبی و تمدنی لحاظ سے مہلک سمجھتا ہے اور اس کی سزا جہاں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں پورا پورا انصاف فرماتے اور ساتھ ہی یہ دعا فرمایا کرتے:

عن عائشة ان النبي كان يقسم بين نساء فيعدل  
ويقول اللهم هذه قسمتي فيما املك ولا  
تلمني فيما، تملك ولا املك .

(ترمذی، السنن: ۱/۱۶۹)

”اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے، ان چیزوں میں جن پر میرا اختیار ہے اور مجھے اس چیز پر ملامت نہ کر جو خالص تیرے قبضے میں ہے اور میرے قبضے میں نہیں، یعنی طبعی میلان۔“  
اس سلسلے میں بہترین نمونہ خود نبی کریم ﷺ نے پیش فرمایا ہے، آپ ﷺ نے ہفتے کے دن اپنی ازواج مطہرات میں تقسیم کر رکھے تھے اور جس دن جس بیوی کے ہاں ٹھہرنے کی باری ہوتی اس دن اگر ضرورت ہوتی تو بھی اس کی اجازت کے بغیر کہیں اور نہ جاتے اور اگر سفر پر جانا ہوتا تو قرعہ کے ذریعے فیصلہ فرماتے کہ ساتھ کس زوجہ مطہرہ کو جانا ہے۔

##### ۵- غیر شرعی حکم کی نافرمانی:

اگرچہ مرد کو عورت پر ایک درجہ زائد حاصل ہے اور عورت کو مرد کی فرماں برداری کرنے کا حکم ہے مگر اس کے باوجود دونوں کا اصل مقصود تو رضائے الہی ہے اور اللہ اور رسول کے احکام پر عمل پیرا ہونا، اس لیے مرد عورت کو کوئی غیر شرعی حکم دینے کا مجاز نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر عورت کو اس کی بات نہیں ماننی چاہیے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

عن النواس بن سمعان قال: قال رسول الله لا  
طاعة لمخلوق في معصية الخالق .

(البغوی، شرح السنہ: ۱۰/۴۴: ۱)

”خالق کی نافرمانی کی شکل میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔“

شادی شدہ مرد یا عورت کے لیے رجم (پتھر مار مار کر ختم کر دینا) ہے، وہاں اس بات کا بھی اہتمام کیا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر جن کا فیصلہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق خود کر سکتا ہے کہ ضرورت کی بنا پر بہ یک وقت چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اس میں یہ کڑی شرط بھی عائد کی ہے کہ ان بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں عدل کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ نیز شوہر، بیوی کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کرے گا اور اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تو ان میں مساوات کے اصول پر عمل کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء: ۳)

”اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (ایک سے زائد بیویوں کے درمیان) انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کافی ہے۔“

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَدْرُواهَا كَالْمُمْلَكَةِ ط وَإِنْ تَصِلُوا وَتَسْقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (النساء: ۱۲۹)

”اور تمہارے بس میں نہیں کہ عورتوں میں انصاف کر سکو، اگرچہ تم ایسا چاہتے ہو تو پھر ایک بیوی کی طرف ہی پورا نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو بالکل بے سہارا لگتی ہوئی چھوڑ دو اگر تم اپنے طرز عمل کو درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

دونوں بیویاں ہر لحاظ سے ایک جیسی نہیں ہو سکتیں، ایک بد صورت ہے، دوسری خوش شکل، ایک بیمار ہے، دوسری تندرست، ایک جوان ہے، دوسری معمر، ایک بد مزاج ہے، دوسری خوش مزاج، اس طرح کے دونوں میں کئی فرق ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے طبعاً آدمی کی طبیعت ایک کی طرف زیادہ اور دوسری کی طرف کم مائل ہو سکتی ہے، مگر اس کے باوجود ضروری ہے کہ تم دوسری طرف بھی کم از کم تعلق ضرور رکھو کہ وہ عملاً بالکل متعلق ہو کر نہ رہ جائے، گویا اس کا کوئی شوہر ہے ہی نہیں اور نان نفقہ بہر حال تمہیں اس کا دینا ہوگا۔

## ۶- ایذا رسانی اور زیادتی کی ممانعت:

خاوند کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کو بلاوجہ تکلیف نہ دے، اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو پسند نہ کرتا ہو تو اس کا اخلاقی فرض ہے کہ ایذا رسانی اور ظلم و تشدد کی بہ جائے، بھلے مانسوں کے طریقے سے اسے رخصت کر دے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ﴾

”اور عورتوں کو ستانے اور زیادتی کرنے کے لیے نہ روک رکھو، جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بنالو۔“ (البقرة: ۲۳۱)

ستانے اور زیادتی کرنے میں روحانی، ذہنی اور جسمانی اذیتیں اور زیادتیاں شامل ہیں جو شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اس قسم کا رویہ اختیار کرے، وہ اپنے جائز حدود سے تجاوز کرتا ہے اور ایسی صورت میں عورت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ قانون کی مدد لے کر اس مرد سے چھٹکارا حاصل کرے۔

### ۷- صبر اور ضبط:

ایک گھر میں زندگی بسر کرتے ہوئے اختلاف رائے کا پیدا ہو جانا اور ناگوار چیزوں کا سامنے آنا ناگزیر امر ہے، ان حالات میں مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صبر سے کام لے اور معاملات کو الجھانے کی بہ جائے سلجھانے کی کوشش کرے، اللہ تعالیٰ نے مرد کو زیادہ اہمیت اور حوصلہ دیا ہے اور یہی اس کی خوبی ہے، اس کے مقابلے میں عورت فطری طور پر نسبتاً جذباتی ہے اور اسی میں اس کا حسن ہے، اس لیے فطری طور پر مرد کو چاہیے کہ زیادہ حلم اور حوصلے سے کام لے اور جذبات کی رو میں نہ بہہ نکلے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”عورت کی پیدائش ٹیڑھی پیلی سے ہوئی ہے، تم اسے سیدھا نہیں کر سکتے، چاہو تو اس کے ٹیڑھ کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو، تم اسے زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔“

(الجامع الصحيح: ۱/۶۶۹، ۲/۷۷۹)

## ۸- عورت کی اصلاح و تربیت کی فکر و سعی:

مرد گھر کا قوام اور نگراں ہے، جہاں اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی بچوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ ذمہ داری بھی بتائی ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کی تربیت مناسب اور بہتر انداز میں کرے، ان کی تعلیم و تفریح اور کام کاج کا ماحول مہیا کرے اور ان کے سامنے اپنا عملی نمونہ ایسا پیش کرے کہ وہ اللہ کی رضا کے حق دار بن سکیں اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں، ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ۚ﴾

”اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو جہنم کی آگ

سے بچاؤ۔“ (التحریم: ۶)

## ۹- بیوی کا حق خلع:

نکاح ایک اہم معاشرتی ضرورت ہے کیوں کہ اس سے خاندان اور خاندانی معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے لیکن اگر میاں بیوی میں محبت نہ رہے اور ان کے درمیان ایسا اختلاف پیدا ہو جائے کہ مصالحت نہ ہو سکے یا خاوند کے ظلم و زیادتی، ناجائز ایذا رسانی اور بدسلوکی، ناقابل برداشت حد تک بڑھ جائے یا واقعی اور معقول وجہ کی بنا پر میاں بیوی کا اکٹھے زندگی گزارنا ممکن نہ ہو اور خاوند طلاق دینے کے لیے آمادہ بھی نہ ہو تو خاندانی زندگی کے مفاد کے پیش نظر اسلام میں بیوی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور حاکم باقاعدہ تحقیق کر کے معاملہ نبٹائے، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیویاں جمیلہ بنت ابی سلول اور حبیبہ بنت سہل انصاریہ حضور ﷺ کے پاس اپنے مقدمات لائیں اور حضور ﷺ نے دونوں دفعہ حضرت ثابت کو حکم دیا کہ وہ طلاق دے دیں۔ (الجامع الصحيح: ۲/۷۹۴)

اسلام نے طلاق اور خلع دونوں صورتوں میں احسن طریقے سے علیحدگی کو پسند کیا ہے، یہ بات قابل ذکر ہے کہ ازدواجی زندگی کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر اسلام طلاق اور خلع کو بہت معیوب سمجھتا اور پسند نہیں کرتا، اس کے متعلق بہت سی احادیث ہیں۔



#### ۱۰- حق وراثت:

اسلامی شریعت نے بیوی کو خاوند کی جائداد میں وارث بنایا ہے اور اس کے تفصیلی احکام قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ وَلَكِنْ إِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ط﴾ (النساء: ۱۲)

”اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہاری بیویوں کے لیے چوتھائی حصہ ہے اور اگر اولاد ہو تو پھر آٹھواں حصہ ہے، اس مال میں جو تم چھوڑو، قرض کی ادائیگی اور وصیت کے مطابق عمل کرنے کے بعد۔“

ہماری مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس دین میں بیوی کو اس قدر حقوق دیے گئے ہوں اور اس کی تمام ضروریات زندگی کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہو وہی دین بہتر تہذیب و ثقافت کی ضمانت دے سکتا ہے، اس لیے کہ بیوی کے بغیر مکمل خاندانی یونٹ کا تصور ممکن نہیں، ایک اچھے مطمئن اور خوش حال خاندان کا دار و مدار ایک تعلیم یافتہ مہذب و مطمئن بیوی پر ہے، تہذیب و اقدار کے سوتے اس کی آغوش سے پھوٹتے ہیں، اسی کی گود سب سے پہلا اور سب سے موثر مکتب ہوتا ہے، اس کی زیر نگرانی تربیت یافتہ نسل ہی اپنا تعمیری کردار ادا کرتی ہے، لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی روایات و اقدار کے تحفظ میں عورت کا کردار ہمیشہ بنیادی رہا ہے۔



#### خطیب کے ضرورت مند

اگر کسی اہل حدیث مسجد میں خطیب کی ضرورت ہو تو ہمارے پاس بہترین انداز میں بیان کرنے والے خطیب موجود ہیں۔ ضرورت مند حضرات رابطہ کریں۔ 0301-4698564

#### اعلان داخلہ برائے طالبات

جامعہ سلفیہ للبنات اہل حدیث چوک نیگم کوٹ لاہور میں بچیوں کے شعبہ حفظ و تجوید قرآن، درس نظامی و فاق المدارس میں داخلہ ۳۰ شوال تک جاری ہیں۔ کھانا، علاج معالجہ اور ہوشل کی بہترین سہولیات میسر ہیں۔ ہمراہ سرپرست داخلہ کے لیے تشریف لائیں۔  
(ناظمہ جامعہ ہذا۔ فون نمبر: 0322-9161593)

#### ضرورت برائے خطیب

مدرسہ دارالعلوم ضیاء السنہ راجہ جنگ میں ایک محقق اور مہنتی عالم دین کی ضرورت ہے جو خطابت کے ساتھ ساتھ توحید و سنت کی دعوت عام کر سکے۔ رہائش و دیگر مراعات اور معقول وظیفہ دیا جائے گا۔  
(برائے رابطہ حافظ عثمان فاروقی 0332-6818193)

#### ضرورت قاری

مدرسہ دارالحدیث اوکاڑا کے شعبہ تحفیظ میں ایک مستند قابل مہنتی قاری استاد کی ضرورت ہے جو شعبہ تحفیظ کو معیاری بنانے اور بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کا تجربہ رکھتا ہو۔ رابطہ درج ذیل پتہ و فون نمبر پر کریں۔  
(عبداللہ یوسف، ناظم مدرسہ دارالحدیث ساہیوال روڈ، اوکاڑا۔ فون: 0312-4403173 / 044-2521460)

## دوزخیوں اور جنتیوں کی کہانی، ان کی اپنی زبانی

عزیز زبیدی رحمہ اللہ

داناے راز کے سامنے انکارِ جرم:

سب سے زیادہ بدنصیب وہ مجرم اور دوزخی ہوں گے جو اس ذاتِ خیر اور بصیر کے سامنے اپنے کیے ہوئے کرتوتوں اور جرموں کا انکار کریں گے، جس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔ حالانکہ معصوم ملائکہ اور حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد کردہ فردِ جرم بجائے خود سب سے بڑی سچائی تھی۔ اس کو تسلیم کر لینا ہی انسانیت کی سب سے بڑی معراج تھی۔ مگر جو اذلی بدنصیب ہیں وہ اتنی سی توفیق سے بھی محروم رہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جو فردِ جرم ان کے ذمہ لگائی ہے کم از کم اس وقت ہی اس کو مان لیں اور حق تعالیٰ کے منہ آنے سے باز آئیں۔

﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ اَيْنَ شُرَكَاءِىَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّوْنَ فِيْهِمْ قَالَ الَّذِينَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ فَالْقُوا السَّلَامَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَادْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوٰى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝﴾

(النحل: ۲۷-۲۹)

”پھر قیامت کے دن وہ انھیں رسوا کرے گا اور کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم لڑتے جھگڑتے تھے؟ وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا کہیں گے کہ بے شک رسوائی آج کے دن اور برائی کافروں پر ہے۔ جنہیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، تو وہ فرماں برداری پیش کرتے ہیں کہ ہم

کوئی برا کام نہیں کیا کرتے تھے۔ کیوں نہیں! یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ پس جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو، سو بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔“

دوسری جگہ یوں آتا ہے:

﴿يَوْمَ يَنْعُظُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُحْلِفُوْنَ لَهُۥ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ ۝﴾

(المجادلہ: ۱۸)

”جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور گمان کریں گے کہ بے شک وہ کسی چیز پر (قائم) ہیں، سن لو! یقیناً وہی اصل جھوٹے ہیں۔“

مولانا عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

”بے شک اصل اور ڈبل جھوٹ وہی ہے جو خدا کے سامنے بھی جھوٹ کہنے سے نہ شرمائے۔“

پچیسویں پارہ میں ان کی دیدہ دلیری کی ایک واضح مثال بھی بیان کی ہے:

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ اَيْنَ شُرَكَاءِىَ قَالُوا اَذْنٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شٰهِيْدٍ ۝﴾ (حم السجدہ: ۴۷)

”اور جس دن وہ انھیں پکارے گا کہاں ہیں میرے شریک؟ وہ کہیں گے ہم نے تجھے صاف بتا دیا ہے، ہم میں سے کوئی (اس کی) شہادت دینے والا نہیں۔“

یعنی ہم اعترافِ جرم سے انکاری ہیں۔



### مجبوریوں کا بہانہ:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، لیکن کچھ مسلمان آپ کی اجازت کے بغیر مکہ میں ہی مقیم رہے۔ جب غزوہ بدر کا معرکہ پیش آیا تو کفار نے جمعیت بڑھانے کی خاطر ان کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ چوں کہ ایمان ان کا مخفی اور پوشیدہ تھا۔ اس لیے کفار کے اصرار پر ان کو مجبوراً جانا پڑا اور میدان بدر میں وہ مسلمانوں کے تیروں کا نشانہ بنے۔ جب مسلمانوں کو ان کی اصلی صورت حال کا علم ہوا تو ان کو سخت دکھ ہوا اور استغفار کیا۔ اس پر اس آیت نے نازل ہو کر ان کی وجوہ معذرت کی قلعی کھول دی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعِفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَ لِمُصِيبٍ ۝﴾ (النساء: ۹۷)

”بے شک وہ لوگ جنہیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں تم کس کام میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم اس سر زمین میں نہایت کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔“

غور فرمائیے! وہ مسلمان تھے اور دل سے مسلمان تھے۔ لیکن صرف اسی جرم کی بنا پر کہ اگر وہ غیر اسلامی علاقہ میں رہ کر اپنے دین کی آبرو کی حفاظت کرنے سے قاصر تھے تو انھوں نے اس علاقہ کو چھوڑ کیوں نہ دیا؟ اور وہاں رہ کر غیر مسلمانوں کی جمعیت کو کیوں رونق بخشی؟

اس سے معلوم ہوا کہ جن مسلمانوں کے کردار سے اسلام کو تو قوت حاصل نہیں ہوتی لیکن غیر مسلموں کے ہاتھ ان کی وجہ سے مضبوط ہوتے ہیں۔ تو خدا کے ہاں ان کے اسلام کا معاملہ نہایت خطرہ میں ہے۔ اس لیے ان کو اب بھی ہوش میں آ جانا چاہیے۔ کیوں کہ جن حیلے بہانوں سے وہ اپنی مجبوریوں اور معذرتوں کو طول دے

### اہل حق سے بگاڑ:

الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ سے معلوم ہوا کہ حق کے معاملہ میں، اہل حق سے لڑنا جھگڑنا بذات خود ایک بہت بڑی معصیت ہے۔ اس سے اللہ میاں کا غصہ اور ہی تیز ہوتا ہے۔ کیوں کہ اہل حق کی تبلیغ اور زندگیاں اتمام حجت کا ذریعہ اور حق کا برہان ہوتی ہیں۔ اس لیے جو لوگ ان کا مذاق اڑانے میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں وہ قیامت میں بہت بڑے خسارہ میں رہیں گے۔ چنانچہ سورہ مومنوں میں آتا ہے کہ ”جب کفار دوزخ سے نکالنے کی درخواست کریں گے، تو اللہ میاں ان سے فرمائیں گے، دفع ہو جاؤ، مجھ سے بات نہ کرو۔“

اس کی وجہ یہ بیان فرمائیں گے:

﴿إِنَّهُ كَانَ قَرِيبٌ مِّنْ عَبْدِي يَقُولُونَ رَبَّنَا ائْتِنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سَخِرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ۝ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا إِنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝﴾

(المؤمنون: ۱۰۹-۱۱۱)

”بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے کچھ لوگ تھے جو کہتے تھے اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر ہے۔ تو تم نے انھیں مذاق بنالیا، یہاں تک کہ انھوں نے تم کو میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنسا کرتے تھے۔ بے شک میں نے انھیں آج اس کے بدلے جو انھوں نے صبر کیا، یہ جزا دی ہے کہ بے شک وہی کامیاب ہیں۔“

اللہ والوں کا مذاق اڑانا نتائج کے لحاظ سے نہایت مہلک ہے، بہت سی قومیں اس فتنہ میں مبتلا ہو کر مٹ گئیں اور آخرت میں بہت بڑے خسارہ میں پڑیں۔ العیاذ باللہ۔ اور یہی صورت حال آج بھی درپیش ہے۔

رہے ہیں، ڈر ہے کہیں وہ طولانیاں ان کی گردنوں کے لیے طوق  
سلاسل نہ بن جائیں۔

سر جھکائے ہوئے کھڑے ہوں گے:

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا  
مُوقِنُونَ﴾ (السجدة: ۱۲)

”اور کاش! تو دیکھے جب مجرم لوگ اپنے رب کے پاس  
اپنے سر جھکائے ہوں گے اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا  
اور ہم نے سن لیا، پس ہمیں واپس بھیج، ہم نیک عمل  
کریں گے، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔“

وہی لے دے:

﴿وَقَالُوا يُؤْتِنَا هَذَا يَوْمَ الدِّينِ ۝ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي  
كُنْتُمْ بِهِ تَكْدِبُونَ ۝ احْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ  
وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ  
الْجَحِيمِ ۝ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا  
تَنصَرُونَ ۝ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝ وَأَقْبَلْ بَعْضُهُمْ  
عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ  
الْيَمِينِ ۝ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا  
عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَٰغِينَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا  
قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ ۝ فَاعْوِذْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا عَاوِينَ ۝  
فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ إِنَّا كَذَلِكَ نَفْعَلُ  
بِالْمُجْرِمِينَ﴾ (الصُّفَّت: ۲۰-۳۴)

”اور کہیں گے ہائے ہماری بربادی! یہ تو جزا کا دن ہے۔  
یہی فیصلے کا دن ہے، جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اکٹھا کرو ان  
لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے جوڑوں کو اور جن کی وہ  
عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ کے سوا، پھر انہیں جہنم کی راہ کی  
طرف لے چلو۔ اور انہیں ٹھہراؤ، بے شک یہ سوال کیے  
جانے والے ہیں۔ کیا ہے تمہیں، تم ایک دوسرے کی مدد نہیں

کرتے؟ بلکہ آج وہ بالکل فرماں بردار ہیں۔ اور ان کے  
بعض بعض کی طرف متوجہ ہوں گے، ایک دوسرے سے  
سوال کریں گے۔ کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس قسم کی  
راہ سے آتے تھے۔ وہ کہیں گے بلکہ تم ایمان والے نہ تھے۔  
اور ہمارا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا، بلکہ تم (خود) حد سے بڑھنے والے  
لوگ تھے۔ سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوگئی۔ بے  
شک ہم یقیناً جکھنے والے ہیں۔ سو ہم نے تمہیں گمراہ کیا،  
بے شک ہم خود گمراہ تھے۔ پس بے شک وہ اس دن عذاب  
میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔ بے شک ہم  
مجرموں کے ساتھ ایسے ہی کیا کرتے ہیں۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝  
وَيَقُولُونَ إِنَّا لَنَنَارُ كُؤَا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۝  
”بے شک وہ ایسے لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ  
کے سوا کوئی معبود نہیں تو تکبر کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا  
واقعی ہم یقیناً اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی خاطر  
چھوڑ دینے والے ہیں؟“﴾ (الصُّفَّت: ۳۵-۳۶)

لا الہ الا اللہ کا نعرہ اگر اسی قدر سادہ ہوتا، جس قدر ہم نے تصور کر  
رکھا ہے تو یقیناً ارباب جاہلیت اس سے نہ بدکتے اور ان کی لن ترانیاں  
بے قابو نہ ہو جاتیں۔ بات ہی دراصل یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ بندے  
کے لیے اپنی ذات اور نفس کی غلامی اور اطاعت کی بھی اجازت نہیں  
دیتا وہ دوسرے بتوں کی اطاعت اور بندگی کی کب اجازت دینے لگا  
ہے۔ بہر حال جنہیں لا الہ الا اللہ کی اس روح سے مناسبت حاصل نہیں  
ہو سکی، جو اللہ کے قرآن کو مطلوب ہے، تو ان کی زبانی لا الہ الا اللہ کی  
ونظیفہ خوانی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ آخر گاندھی بھی تو پڑھا ہی کرتا  
تھا۔ اس رنگ میں اگر ہم بھی پڑھ لیں گے تو کون سا اسلامی انقلاب  
برپا ہو جائے گا۔

ہوں! تمہارا کالا منہ:

فرشتے دوزخیوں کو یکے بعد دیگرے لا لا کر دوزخ کے کنارے پر

ہوتے ہیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے، تو ان طبقات نے عوام اور اتباع کی نہ صرف عاقبت اور آخرت تباہ کی ہے، بلکہ دنیا میں ان کی دنیوی عافیت اور سکھ چین کو بھی انھوں نے غارت کیا ہے۔ ان سے وہی بچ سکتا ہے، جس کو اللہ بچائے ورنہ ان کے ہتھکنڈے نہایت ہوش ربا اور جال سب سے زیادہ بے کراں ہوتے ہیں۔

جی ہاں سب سچ ہے:

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالُوا قَدْ وَفَّوْا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ (الاحقاف: ۳۴)

”اور جس دن وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آگ پر پیش کیے جائیں گے، کیا یہ حق نہیں ہے؟ کہیں گے کیوں نہیں، ہمارے رب کی قسم! وہ کہے گا پھر چکھو عذاب اس کے بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے۔“

بڑا کٹھن دن:

قبروں سے اٹھ کر جب لوگ نیچی نظریں کیے بھاگے جا رہے ہوں گے۔ تو

﴿يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمَ عِيسَى﴾ (القمر: ۸)  
”کافر کہیں گے یہ بڑا مشکل دن ہے۔“

اس کی وجہ یہ بتائی کہ

﴿فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ﴾ (القمر: ۹)  
”انھوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور انھوں نے کہا دیوانہ ہے اور جھڑک دیا گیا۔“

حالمین حق کی عقل کا ہر زمانہ میں مذاق اڑایا گیا ہے اور ہر دور میں ان پر دھونس جمالی گئی ہے، پہلے بھی اور اب بھی، اور نتیجہ دونوں کا یکساں رہا ہے، اور رہے گا۔

کہاں بھاگ کر جاؤں؟

﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُوءُ﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ إِلَىٰ

جمع کریں گے۔ پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا، بعدہ ان کے مقلدین اور اتباع کی جماعت آئے گی۔ اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر پہلے لوگ کہیں گے کہ لو! یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھیتی ہوئی تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لیے چلی آرہی ہے، خدا کی مار ان پر، یہ بھی یہیں آکر مرنے کو تھے، خدا کرے ان کو کہیں کشادہ جگہ نہ ملے، اس پر وہ جواب دیں گے کہ کم بختو، تمہی پر خدا کی مار ہو، خدا تم کو ہی کہیں آرام کی جگہ نہ دے۔ (حاشیہ مولانا عثمانی)

قرآن نے اس واقعہ کو یوں ذکر کیا ہے:

﴿هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَصِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارَ ۖ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدْ تَمْتَمُوهُ لَنَا فَبَسَّ الْقُرَارُ ۖ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ﴾ (ص: ۵۹-۶۱)

”یہ ایک گروہ ہے جو تمہارے ساتھ گھستا چلا آنے والا ہے، انھیں کوئی خوش آمدید نہیں، یقیناً یہ آگ میں داخل ہونے والے ہیں۔ وہ کہیں گے بلکہ تم ہو، تمہارے لیے کوئی خوش آمدید نہیں، تم ہی اسے ہمارے آگے لائے ہو۔ سو یہ برا ٹھکانا ہے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جو اس کو ہمارے آگے لایا ہے پس تو اسے آگ میں دگنا عذاب زیادہ کر۔“  
قرآن حمید کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ عوام کی عاقبت کی تباہی کا سب سے بڑا سبب ملک کا با اثر طبقہ ہے۔ با اثر طبقہ یہ ہیں:

۱: سیاسیین سوء (سیاسی کھلندڑے اور برے حکمران)

۲: علماء سوء (وحی الہی کو بیچ کر اپنی دنیا بنانے والے عالم)

۳: با اثر زمیندار

۴: سرمایہ دار

۵: قوم اور قبیلے کا بزرگ، شیخ۔

۶: کسی فرد یا خاندان کا سرپرست۔

۷: غیر اسلامی تہذیب کے نمائندے اور متجددین کیونکہ یہ..... سادہ نوح عوام کے لیے اپنی مصنوعی ندرت کی وجہ سے بہت بڑا فتنہ

رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ  
وَأَخَّرَ ۝ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَلَٰكُو الْفَى  
مَعَاذِيرُهُ ۝ (القيامة: ۱۰-۱۵)

”اور انسان اس دن کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہرگز نہیں، پناہ کی جگہ کوئی نہیں۔ اس دن تیرے رب ہی کی طرف جا ٹھہرنا ہے۔ اس دن انسان کو بتایا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔ بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے بہانے پیش کرے۔“  
یعنی گو انسان یہاں پر حیلے حوالے پیش کرے گا، لیکن یہ سبھی کچھ ظاہر میں ہوگا، باطن میں تو وہ خوب ہی سمجھتا ہوگا، کہ وہ خود کیا ہے؟ یعنی واقعی مجرم ہی اپنے کو سمجھتا ہے، گویا کہ وہاں پر ایک مجرم بھی ایسا نہیں ملے گا، جس کا ضمیر اس فرد جرم کے سلسلے میں مطمئن نہ ہو جو اس پر عائد کی گئی ہوگی، اور یہی وہ قانون اور اسلوب فیصلہ ہے جو عدل و انصاف کی معراج کمال ہے۔ اور یہ دولت صرف اسلام اور ذات حق سے مل سکتی ہے اور بس، اس سے منہ موڑ کر جو اس دولت نایاب کی تلاش میں سرگردان ہیں وہ ہمیشہ سرگردان ہی رہیں گے۔  
کاش! سبھی کچھ دے کر جان چھڑالوں:

بے خدا انسان کی خود غرضی کی انتہا دیکھنا ہو تو اس کو قیامت کے ماحول میں رکھ کر دیکھو، دنیا میں اس کی خود غرضیوں کے جو چرچے ہیں، قیامت کی خود غرضیوں کے سامنے ہچ نظر آئیں گے۔

﴿يَوْمَذِ الْمُجْرِمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بَيْنِيهِ ۝  
وَصَاحِبِيهِ وَأَخِيهِ ۝ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۝ وَمَنْ فِي  
الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝ كَلَّا إِنَّهَا لَطَفَى ۝ نَزَّاعَةً  
لِّلشَّوَى ۝ تَدْعُو مَنْ أَذْبَرَ وَتَوَلَّى ۝ وَجَمَعَ فَأَوْعَى ۝﴾

(المعارج: ۱۱-۱۸)

”مجرم چاہے گا کاش کہ اس دن کے عذاب سے (بچنے کے لیے) فدیے میں دے دے اپنے بیٹوں کو۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو۔ اور اپنے خاندان کو، جو اسے جگہ دیا کرتا

تھا۔ اور ان تمام لوگوں کو جو زمین میں ہیں، پھر اپنے آپ کو بچالے۔ ہرگز نہیں! یقیناً وہ (جہنم) ایک شعلہ مارنے والی آگ ہے۔ منہ اور سر کی کھال کو اتار کھینچنے والی ہے۔ وہ (ہر) اس شخص کو پکارے گی جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا۔ اور (مال) جمع کیا اور اسے بند رکھا۔“

کہتے ہیں بندریا کے پاؤں جلنے لگے تو اس نے اپنے بچوں کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ دیا تھا۔ تاکہ اس کے پاؤں نہ جلیں۔ بچے مل کر راکھ ہوتے ہیں، تو ان کی بلا سے قیامت میں یہ خود غرضی اس غیر مکلف حیوان سے کہیں بڑھ کر جوان ہوگی۔ اور وہ ایک ایک کا نام لے لے کر اور گن گن کر تمنا کرے گا کہ کاش! ان سب کو میرے عوض لے کر مجھے چھوڑ دیا جائے۔

جاہ و دولت کی فراوانی:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طبقہ مستمول اور متکبر لوگوں کا گروہ ہوگا۔ جس طرح یہ دنیا میں اپنے عیش و آرام کے لیے ہزاروں بندگان خدا کے سکھ چین پر ڈاکے ڈالا کرتا تھا اسی طرح آخرت میں بھی وہ یہ تمنا کرے گا کہ کسی طرح بس چلے تو اب بھی لوگوں کو اپنے چین کے لیے قربانی کا بکرا بنا ڈالوں۔

اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جن بزرگوں نے مال و دولت سے پرہیز کیا ہے، وہ کسی حد تک احتیاط کا ایک معقول پہلو ہے۔ کیونکہ جب دولت کی آغوش میسر ہو جاتی ہے، تو اس میں غفلت اور نفس جھوم اٹھتے ہیں۔ اور پھر وہی کچھ سماں طاری ہو جاتا ہے جو ہونا چاہیے، بلکہ بعض روایات سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار اور مال و دولت کی فراوانی بہت بڑی..... صلاحیتوں پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتی، چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ

ان آخر الانبياء عليهم السلام دخولا الجنة  
سليمان عليه السلام لملكه . (الاكستاب في  
الرزق المستطاب، ص: ۹۲ محمد بن الحسن الشيباني)  
”اپنے اقتدار کی وجہ سے حضرت سليمان عليه السلام تمام

ضد ہے، اس لیے ہم اس سے بھی پناہ چاہتے ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثریت غریبوں کی رہی ہے۔ اور دین داری بھی زیادہ تر انہی میں پائی گئی ہے۔ اکثر صابر و شاکر پائے گئے ہیں، اس کے برعکس جو دوسری انتہا ہے اس کے سلسلہ میں عموماً بڑے بڑے جغادریوں کے پاؤں لڑکھڑاتے دیکھے ہیں۔ الا ماشاء اللہ (جاری ہے)



### مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کی صحت

مخدوم گرامی حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ گزشتہ دنوں رکشہ لٹنے کے باعث دائیں بازو اور ہاتھ پر چوٹ لگنے سے زخمی ہو گئے تھے۔ اب الحمد للہ تیزی سے رو بصحت ہیں۔ ثریا عظیم ہسپتال میں آپریشن کر کے زخم پر مرہم پٹی کر دی گئی تھی۔ احباب ان کی صحت کاملہ کے لیے دعا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً  
اللہم اشفہ اشفاءً كاملاً عاجلاً..... (ادارہ)

انبیاء علیہم السلام کے بعد بہشت میں داخل ہوں گے۔“ اسی طرح حضرت عبدالرحمان بن عوف کے متعلق آتا ہے کہ وہ تمام صحابہ کے بعد بہشت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں شرف باریابی پائیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی سب سے زیادہ تھی۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

وقال یوما لعبد الرحمن بن عوف ما بطاً بك عنی یا عبد الرحمن . قال وما ذاك یا رسول اللہ ، فقال انك اٰخر اصحابی لحوقابی یوم القیمة . فاقول عنی فیقول المال كنت محاسباً محبوباً حتی الان . (ایضاً)

”پہلی شخصیت اولو العزم پیغمبر کی ہے، اور دوسری صحابی، جیسی ذات گرامی ہے، اور وہ عشرہ مبشرہ میں سے ہے۔ اگر دولت اور اقتدار کی گراں باری ان کی رفتار کو بوجھل بنا سکتی ہے، تو ہما شاکا کیا حال ہوگا۔ اللہ اکبر۔“

حدیث میں تو یہ ایک کلیہ بیان کیا گیا ہے:

ان فقراء المسلمین یدخلون الجنة قبل اغنیائهم بنصف یوم وهو خمس مائة عام .

(مسند احمد: ۲/۴۳۳)

”مسلمانوں کے غرباء اپنے دولت مندوں کی بہ نسبت پانچ سو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔“

اس کے یہ معنی نہیں کہ دولت بذات خود بری ہے بلکہ اس کا جو نشہ ہے اس کے سہارے کے لیے جس ہوش کی ضرورت ہے، وہ بہت کم لوگوں کو میسر ہوتی ہے، اس لیے اکثر اہل ثروت اس کے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جو اس فتنہ سے بچ جاتے ہیں۔ وہ یقیناً بہت بڑی سعادت والے ہوتے ہیں۔ وان ہم الاقلیل

باقی رہی یہ بات کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیری میں بھی کافری کے خطرات پنہاں اور پوشیدہ ہیں، تو یہ بھی ٹھیک ہے اور بالکل بجا ہے، یہ دراصل دولت و اقتدار کی دیوی کے برعکس دوسری انتہاء اور

## جماعت اہل حدیث کے لیے لمحہ فکریہ

حضرت مولانا محمد یوسف راجووال (بانی دارالحدیث الجامعہ الکملیہ، راجووال)

دستیابی کی بنا پر بند کر دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ہماری جماعت میں بے انتہاستی پائی جاتی ہے کہ دینی جرائد کو پڑھنے کا ذوق نہیں پیدا کیا جاتا، جو کسی بھی جماعت کی زندگی کا موثر ترین طریقہ ہے کہ وہ اپنے رسائل و جرائد کو زندہ رکھے۔ میرے جماعتی بھائی مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ بنام امّ الہدیٰ جاری فرمایا جواب بند ہو چکا ہے۔

ہمارے نوجوانوں میں ذوق عبادت کی بھی کمی ہے۔ ہمارے دینی مدارس میں قلت وسائل کی وجہ سے اور دیگر اسباب کی وجہ سے خام مال پیدا ہو رہا ہے خیر یہ بھی غنیمت ہے۔

گو میں اس لائق نہیں کہ آپ حضرات کو کچھ لکھ سکوں اور نہ ہی میرا دینی جذبہ مجھے روکنے کے لیے تیار ہے۔

مرزائیوں کا لٹریچر میرے پاس جمع تھا جو میں نے جلا دیا ہے صرف اس لیے کہ میری اولاد کو شبہ نہ پڑ جائے کہ ہمارا باپ کہیں مرزائی نہ ہو۔ نعوذ باللہ من ذلک ☆

حالاں کہ راجووال چھوٹا سا گاؤں تھا، اب قصبہ نما شہر بن چکا ہے۔ تاحال راجووال میں ڈاکخانہ نہیں۔ حالاں کہ سرکاری سطح پر ڈاک خانہ چل رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ میرے پاس مرزائیوں کی ڈاک کیسے پہنچ جاتی ہے۔

یہ یقینی بات ہے کہ جماعت کے جرائد چل رہے ہیں مگر القلیل

کلمہ حرام اور حکم الاکثر علی الکمل

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نیم

(باقی صفحہ نمبر ۳۱ پر)

اسلام کو روشن کرنے کے لیے میرے علم کے مطابق تین ذریعے ہیں:

۱: خطیب بہترین ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَعَلِّمُوہُ الْبِیَّانَ﴾ ہماری جماعت کے مخلص ترین مقررین مولانا محمد حسین شیخوپوری، حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم و کثیر ماہم

۲: دوسرا ذریعہ، مدرس بہت اونچا ہو۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَعَلِّمُوہُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَہُ﴾

جس طرح فقیہ امت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ اکل محدث شہیر سید نذیر حسین محدث دہلوی، استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ میرے شیخ امام الخو والصرف مولانا عطاء اللہ لکھوی، اور مولانا عبدالجبار سلفی کھنڈیلوی رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا عطاء اللہ لکھوی رحمۃ اللہ علیہ سے بذریعہ خط و کتابت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی تراکیب پوچھا کرتے تھے۔

۳: تیسرا ذریعہ، آج کل کے دور میں لٹریچر ہے۔ میں انتہائی افسوس سے عرض کرتا ہوں کہ جماعتی اخبارات و جرائد اور ماہنامے اور ہفت روزے، میرے بھائی بشیر انصاری صاحب کے لکھنے کے مطابق رسائل و جرائد کی تعداد تقریباً ۳۰ ہے، جو بہت ہی قلیل ہیں اور پھر ہماری جماعت کی کمزوری ہے کہ اخبار جاری کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی اور نہ ہی ان کے لیے کوئی اپیل کی جاتی ہے، نہ کوئی سفیر اور نہ کوئی دیگر وسائل۔ یہی وجہ ہے بعض حضرات ماہنامے جاری کرتے ہیں لیکن وسائل کی عدم

☆ یہ مواد جلانے کے بجائے کسی لائبریری یا کسی طالب علم کو دے دیا جاتا تو اچھا ہوتا۔ (م۔س)



## تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

مظہر کتاب کے صفحہ نمبر ۴۰ پر ملاحظہ کریں۔ موصوف تحریر کرتے ہیں:  
”ظہر کی نماز جمع بین الصلوٰتین مسجد نمبرہ میں اس وجہ سے نہ  
پڑھی کہ امام مقیم ہو کر بھی قصر کرتا ہے اور ہمارے بزرگوں  
کے فتویٰ کے مطابق اس صورت میں احناف کو خیموں میں  
صرف ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے۔“

وادی عرنہ (جہاں مسجد نمبرہ واقع ہے) میں رسول اللہ ﷺ ظہر  
وعصر اول وقت (بوقت ظہر) جمع کر کے قصر ادا فرماتے تھے۔

(صحیح مسلم، حدیث: ۱۴۷)

اصحاب رسول ﷺ کا عمل بھی یہی تھا۔ آج تک مسجد نمبرہ میں قصر  
نمازیں (ظہر وعصر) جمع کی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس حنفی حضرات  
اپنی فقہ و طریقہ کے مطابق حرمین شریفین میں عبادت ادا کرتے ہیں  
اور ظہر وعصر الگ الگ وقفے سے پڑھتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کے اوراق پیشتر علمی و دینی شخصیات کے ملفوظات  
علمیہ، ملاقات و حالات کی خبر بھی دے رہے ہیں۔ مولانا سمیع الحق  
صاحب نے اپنے قیام حجاز مقدس کے دوران عالم عرب و عجم کی  
ڈھیروں علمی، ادبی اور روحانی شخصیات سے ملاقات کا شرف حاصل  
کیا۔ ان کے دروس علمیہ سنے اور کیفیات وادی ذی ذرع بذریعہ سیر  
وساحت اکٹھی کیں۔ حجاز مقدس سے لکھے گئے خطوط میں وہاں کے  
ایک ایک لمحے کو اپنی خوش گوار یادوں سے تعبیر کر کے جیٹہ تحریر میں لا کر  
بصورت کتاب قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ یہ ساری کوشش  
حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی محنت کے نتیجے کی آئینہ دار  
کہی جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

گنبد خضریٰ کے سائے میں

مصنف: شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب

ضخامت: ۲۵۶ صفحات

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، خالق آباد نوشہرہ خیبر

پختون خوا

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

محترم مولانا عبدالقیوم حقانی ایک معروف مصنف، مترجم اور  
علمائے احناف کے خوشہ چین ہونے کے ساتھ ایک علمی و ادبی شخصیت  
ہیں۔ القاسم اکیڈمی کے زیر اہتمام پیشتر علمی و ادبی شہ پارے شائع  
کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں انھوں نے اپنے استاذ و مربی مولانا  
سمیع الحق صاحب کے سفر نامہ حجاز مقدس کی ڈائری مرتب کی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ”گنبد خضریٰ کے سائے میں“ معروف سیاسی  
و مذہبی عالم دین مولانا سمیع الحق بن مولانا شیخ الحدیث عبدالحق  
صاحب مرحوم (اکوڑہ خٹک) کے سفر نامہ حجاز ۱۹۶۴ء کے واقعات  
و حالات، خطوط، تفصیلی سفر از اکوڑہ خٹک براستہ کراچی، بحرین، الخبر،  
ریاض تا حرم مکی و حرم مدنی کی روداد جمع کی گئی ہے۔

مولانا سمیع الحق صاحب خوش قسمت اس طرح سے رہے کہ زمانہ  
نوجوانی میں چھ سات مہینے ارض مقدس میں ٹھہرے اور وہاں حرم مکی  
و مدنی میں انوار و تجلیات نور ربانی سے انھیں مستفید ہونے کا موقع  
نصیب ہوتا رہا۔ مولانا سمیع الحق صاحب چوں کہ حنفی المسلک ہیں۔  
حنفی حضرات دیار حبیب ﷺ میں بھی حنفی فقہ پر کار بند رہتے ہیں اور  
اپنی فقہ کے مطابق دینی امور سرانجام دینے کی سعی کرتے ہیں۔ اس کا

اور اہل علم کی یوں ہی خدمت انجام دیتے رہیں، آمین۔  
کتاب کمپیوٹر کمپوزنگ، عمدہ طباعت اور مجلد ہے۔

### قرآن فہمی کے اصول

تصنیف: علامہ عبدالغفار حسن رحمانی عمر پوری رحمہ اللہ

ضخامت: ۶۴ صفحات

ناشر: دارالحکمہ، اسلام آباد۔ موبائل نمبر 0300-6692758

علامہ عبدالغفار حسن رحمہ اللہ ایک کہنہ مشق استاذ حدیث نبوی ﷺ

تھے۔ آپ ایک مفسر قرآن بھی تھے اور مبلغ و خطیب بھی.....!

زیر تبصرہ کتابچہ بقول جناب خلیل الرحمن چشتی کے، جس کا تذکرہ

پیش لفظ میں آیا ہے کہ یہ علامہ عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کی دو تقاریر کا

مجموعہ ہے۔ یہ تقاریر قرآن فہمی کے سلسلے میں ہیں یعنی قرآن کے

بنیادی اصولوں کی وضاحت پر مبنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی روشن ومنزہ کتاب مبین یعنی قرآن کریم تاریکیوں

سے نکالتی، چاہنے والوں کے لیے ان کی زندگی اُجالتی اور ہدایت

طلب کرنے والوں کے لیے ہدایت کا سامان مہیا کرنے والی ہے۔

نزول قرآن کا مقصد و مطلب ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس پر عمل

کریں اور اس کی بتائی ہوئی تعلیمات پر چل کر خود بھی اپنی زندگی کو

نکھاریں اور دوسروں کو بھی آگاہ کریں۔ مولانا مرحوم و مغفور کی دو

تقاریر کا یہ مجموعہ آج کل کے گئے گزرے دور میں اپنے اندر بڑا مفید

درس لیے ہوئے ہے کہ دعوت قرآن اور فہم قرآن کے اصول و ضوابط

سمجھنے میں دقت نہ سمجھی جائے۔ عام فہم، سلیس عبارت اور مدلل تشریح

کے ساتھ مرتب شدہ مواد ہے۔ اہل طلب خود بھی پڑھیں اور زیادہ

سے زیادہ لوگوں تک اسے پہنچائیں۔

ملنے کا پتہ: (۱) دارالحکمہ، آفس نمبر ۴، بلاک نمبر ۱۶، ارشد شریف

پلازہ، مرکز G/11 اسلام آباد۔

(۲) التوحید اکیڈمی، مسجد التوحید، گلی نمبر 62 جی ٹین فور، اسلام

آباد۔ 03345138522

رمضان المبارک میں حرم کعبہ مشرفہ کا نظارہ بڑا قابل دید ہوتا

ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے رمضان شریف میں حرم

کعبہ حرم مدینہ منورہ کا نظارہ بھی خوب کیا اور اس کی اثر آفرینیاں بھی

شامل کتاب کی ہیں۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے جہاں دیگر علمی

شخصیات سے ملاقات کی وہاں فخر المحمدیین محی السنہ الحمد یہ علامہ ناصر

الدین البانی رحمہ اللہ صاحب کے حلقہ درس میں شمولیت بھی کرتے

رہے۔ ان سے گفتگو بھی کرتے تھے اور ان کے ساتھ انھوں نے کھانا

بھی کھایا۔ اسی طرح مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ حنفی سے بھی فیض

صحبت رہا۔ مولانا بدر عالم میرٹھی حنفی رحمہ اللہ کے ہاں ایک مجلس کا ذکر

کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”مولانا بدر عالم میرٹھی نے ایک دفعہ مجھے فرمایا! مولانا ٹھہریں۔

آپ سے باتیں کرنی ہیں۔ فرمایا:

مولوی صاحب! جرح و تعدیل کو اب کیا کریں، جس نے اللہ کو

پہچانا، اس سے ربط قائم کیا اس نے تعدیل کرائی اور جس نے اس سے

لگاؤ پیدا نہ کیا، وہ قابل جرح ہے۔ خواہ وہ کتنے علوم کا امام کیوں نہ بن

جائے اور جس نے اپنے رب کو راضی کیا وہ ہی ثقہ، ثقہ، ثقہ

(تین مرتبہ فرمایا) ہے۔ محدثین رحمہ اللہ نے جسے ضعیف، قوی اور حسن

کہا۔ اس میں اب ہمیں کیا محال ہے۔ ہمیں اپنی جرح و تعدیل کرنی

چاہیے۔ میں تم نو جوانوں کو منع نہیں کرتا۔ تم اپنے شباب کے گھوڑے

خوب دوڑاؤ، علم صحیح حاصل کرنے کے لیے تمہارے لیے تحقیق کا

میدان کھلا ہے۔ الخ“ (ص: ۶-۱۳۵)

زیر تبصرہ کتاب ایک معلوماتی اور سیاحتی ہونے کے ساتھ ساتھ

دیباچہ عرب کے مشہور مقامات کی الفاظ کے آئینے میں قاری کو سیر بھی

کراتی ہے اور آدمی کو معروف علمی، تحقیقی و دینی اکابرین سے ملاقات

کا نظارہ بھی کرتا ہے۔

بہر حال کتاب پڑھنے کی چیز ہے۔ اس سفر نامے کو پڑھ کر بیشتر نئی

وپرائی باتوں کا پتا چلے گا۔ ہم مولانا عبدالقیوم حقانی رحمہ اللہ کی اس محنت

شاقہ کی داد دیتے ہیں اور ان کو اور ان کے قلم کو دعا دیتے ہیں کہ وہ علم



## رمضان المبارک (فضائل و مسائل)

تالیف: حافظ ریاض احمد عاقب

ضخامت: ۸۶ صفحات

ناشر: دارالکتب والحکمہ ملتان 0334-6066878

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیر تبصرہ کتابچہ مولانا حافظ ریاض احمد عاقب استاذ مرکز ابن القاسم الاسلامی بوسن روڈ ملتان کی تحقیق انیق ہے۔ حال ہی میں ہم مسلمانوں نے رمضان المبارک کی بابرکت ساعات کو گزرتے دیکھا، یہ ماہ مبارک اللہ کریم آئندہ بھی سب مومنین و مومنات کو دیکھنا نصیب فرمائے، آمین۔

اس مختصر مگر پر مغز علمی و تحقیقی مقالے میں رمضان المبارک کے سلسلہ پر رحمت کی ہر عبادت و ریاضت، احکام و مسائل، ادب و تائید کو باحوالہ و مدلل جمع و ترتیب سے مزین کر دیا گیا ہے۔ ہمارے ناقص خیال کے مطابق کوئی مسئلہ بابت صیام و رمضان مخفی نہیں رکھا گیا۔ اس کے پانچ باب قائم کیے گئے ہیں۔ قرآن و حدیث کے تناظر میں مرتب شدہ ہے۔

روزے کی فرضیت، اہمیت، فضیلت، احکام و مسائل، نماز تراویح، اعتکاف، لیلۃ القدر اور صدقہ فطر کی معلومات کے علاوہ عید الفطر کے احکام، طریقہ ادائیگی وغیرہ کی بڑی تفصیل سے منظر کشی کی گئی ہے۔ احباب ذوق و تحقیق کے لیے یہ کتابچہ بڑا فائدہ مند ہے۔



### بقیہ: جماعت اہل حدیث کے لیے لمحہ فکریہ

ہماری جماعت کا حال یہ ہے کہ اس کی اکثریت سوء ظنی میں مبتلا ہے۔ حالاں کہ حسن ظن عبادت ہے۔ واللہ یعلم اسرارنا لکھنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر میرا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے سے معذور ہوں۔ جماعت کے ہر فرد کو اللہ تعالیٰ بدگمانی سے بچائے۔ علماء کی خدمت کو عبادت سمجھیں۔

صدقہ جاریہ کی تین قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک علم بھی ہے کہ (علم ینتفع بہ)

صدقہ جاریہ کی تنوین عموم پر دلالت کرتی ہے۔ علماء پر خرچ کرنا اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ مسجد بھی صدقہ جاریہ ہے۔ لیکن ساکن اور ساکت ہے۔ مسائل نہیں بتا سکتی، کتب دینیہ بھی صدقہ جاریہ ہیں لیکن عالم کی محتاج ہیں۔ اس لیے میرے علم کے مطابق علماء کی خدمت اعلیٰ قسم کی عبادت ہے۔ علماء کی خوراک اچھی ہوگی تو صالح خون پیدا ہوگا۔

علمائے کرام چلتا پھرتا صدقہ جاریہ ہیں۔ میرے علم کے مطابق علماء ربانی ہماری ہڈیوں کو پیس کر آٹا بنا کر کھا جائیں، ہمارے خون کو چوس کر پی جائیں تو بھی ان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ انھوں نے ہمارے سینے توحید کے نور سے منور کیے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے چراغ روشن کیے ہیں۔ بس یہ میری دکھ بھری داستان ہے۔ آہ..... اس پر بات ختم کرتا ہوں۔

میری جماعت کو اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ علماء ربانی کا تحفظ کر سکیں اور ان کو کسب کی ضرورت نہ رہے اور وہ فراخ دلی سے اپنے فرائض کو جاری و ساری رکھ سکیں۔ علماء کے دنیاوی کام کرنے سے دینی کام اور علم کی ترقی رک جاتی ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر کی کسب و حرفت کافی ہے۔ مگر میں جماعت کا کام نہ کر سکتا تھا۔ آج کے بعد ابوبکر جماعتی کام کرے گا اور جماعت سے کھائے گا۔

جو علماء ہزاروں کے مجمع میں بول کر متاثر کرتے ہیں کیا وہ دکان پر گاہک کو متاثر نہیں کر سکیں گے۔ ہزار معذرت سے میری یہ اپیل ہے اگر میں غلطی کر رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے نیچنے کی توفیق دے۔ اگر میری یہ بات درست ہے تو پھر جماعت کے تمام رسائل و جرائد کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔



شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے جد امجد امام عبدالسلام رحمہ اللہ کی فقہ الحدیث کی بلند پایہ کتاب

## منتقى الاخبار (مترجم)

### خصوصیات

○ امام عبدالسلام رحمہ اللہ، جد امجد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ کتاب معاشرتی مسائل و احکام پر جامعیت کے لحاظ سے ایک خاص مقام و مرتبے کی حامل ہے، اس میں چار ہزار احادیث مبارکہ عربی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ جمع کی گئی ہیں۔

○ اس عظیم کتاب کا سلیس اردو ترجمہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد داؤد راجہ رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔ اس پر نظر ثانی، تنقیح و تہذیب مولانا محمد ابوبکر صدیق السلفی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

○ یہ اہم کتاب ۲ مضبوط جلدوں پر مشتمل ہے۔ عمدہ گلیر کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ

قیمت = /۲۰۰ روپے عام رکھی گئی ہے۔

ناشر: دار الدعوة السلفیہ، ۳۱- شیش محل روڈ لاہور۔ پوسٹ کوڈ ۵۴۰۰۰

## ربّ کعبہ کا لطفِ عام

گجر دم آج مستوں کو یہ جاں پرور پیام آیا  
کہ تم جس کے متوالے ہو گردش میں وہ جام آیا  
قبائے ملتِ بیضا کو جن تکموں کی حاجت تھی  
شہیدوں کے لہو کا قطرہ قطرہ ان کے کام آیا  
خدا کے تخت سے ٹکرائیں مظلوموں کی فریادیں  
ستم کی روح کانپ اٹھی کہ وقتِ انتقام آیا  
سواری رہ نورِ منزل اسرا کی جب نگلی  
تو جبریل امیں تھامے ہوئے اس کی لگام آیا  
مرتب آپ کی، جس کی ہر اک شق ربّ اکبر نے  
پیمبرِ عرش سے لے کر وہ دستوری نظام آیا  
جھکا دیں گردنیں فرطِ ادب سے کج کلاہوں نے  
زباں پر جب عرب کے سارباں زادوں کا نام آیا  
رسول اللہؐ سے از بس کہ نسبتِ خاص ہے ان کو  
مسلمانوں کے حصہ میں خدا کا لطفِ عام آیا

(مولانا ظفر علی خانؒ)